170

169

169

14

گلاب سنگھ

سنگھ

راجہ رام شرما بی اے

راجہ رام شرما بی اے

1881

فہرست مضامین

(دیوان پریس جموں میں چھپا)

پیش لفظ

ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ قیام کے متعلق نہ صرف جموں و کشمیر بلکہ تمام ہندوستان میں بھی کئی ایک بعید از صداقت داستانیں زبان زد عام ہیں اور ان اول و آخر غلط داستانوں سے اس مردم خیز سرزمین کے جنگجو سپاہیوں اور تاریخ ہند کے اس بہادر جرنیل کی جانبازیوں پر پردہ ڈالنا مقصود ہے جنہوں نے گلگت، لداخ اور چترال کو پہلی بار ہندوستان کی حدود میں شامل کر کے تاریخ کے اوراق پر ایک ایسا نقش ثبت کیا تھا جس کی نظیر مغل اعظم، اشوک اور سمندر گپت تک پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کے لئے ہندوستان ہمیشہ ان کا شکر گذار رہے گا ان ڈوگرہ فاتحین اور ان کے حکمران مہاراجہ گلاب سنگھ کے متعلق پہلی مستند تاریخ کلکتہ یونیورسٹی کے مسٹر کے۔ ایم پانیکار نے سپرد قلم کی تھی۔ میں نے اسے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور مقصد صرف اس قدر ہے کہ جمہور کو حقائق سے غیر آگاہ نہ رہنے دیا جائے اور ایک سو سال پہلے کے ان مناظر کا تصور ان کے ذہن میں لایا جائے جو کسی بھی جنگجو۔ مہذب۔ عزت مند اور حریت پسند قوم کے لئے لائق افتخار ہو سکتے ہیں۔

پہلا باب

ابتدائی ایام

وہ پہاڑی خطہ جو پنجاب کے روشن میدانوں اور کشمیر کی خوشگوار وادی کے مابین واقع ہے۔ اور ان دنوں صوبہ جموں پر مشتمل ہے۔ گلاب سنگھ کے زمانہ سے پیشتر کبھی کسی واحد حکمران کے زیر نگین متحد نہیں ہوا۔ سیالکوٹ واقع علاقہ برطانوی سے یہ میدان تدریجی چڑھائی اختیار کرتا ہے۔ اور چند میلوں کے اندر اندر کوہستانی اور شکستہ سطح ہو جاتا ہے۔ جموں شہر کے پیچھے کوہ ہمالیہ کا زیرین سلسلہ یک لخت شروع ہو جاتا ہے۔ جس کی سطح مرتفع ۱۲۰۰ فٹ کے قریب ہے۔ اور یہ سلسلہ اس میدان کا نگران نظر آتا ہے۔ جس کی شادابی دریائے چناب اور راوی کے ذمہ ہے یہ پہاڑیاں جو اندرون ملک میں بلند سے بلند تر ہوتی جاتی ہیں۔ ملک کو منقطع اور ناقابل عبور تبدوں میں منقسم کرتی ہیں۔ ٹیلوں کا ایک سلسلہ قائم کئے تخیں۔ جن کے پیچھے مقامی باشندے اپنی آزادی کو محفوظ رکھتے تھے اور معتدل قناعت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جو ہندوستان کی تبدیلیوں

اور انقلاب سے قطعاً اثر پذیر نہیں تھی - اس کوہستانی خطہ کے حکمران لوگ راجپوت تھے - جنہوں نے بظاہر اس وقت ان پہاڑی کمین گاہوں میں پناہ لی - جبکہ پنجاب میں راجپوتی تسلّط بارہویں صدی میں محمد غوری کے حملہ سے پامال ہو چکا تھا - ان راجپوتوں کی چھوٹی ریاستوں نے جن میں اہم ترین جموں کشتواڑ - اور بھدرواہ کی ریاستیں تھیں - اپنی آزادی اور مطلق العنانی کو مغل حکومت کے زمانہ میں بھی بحال رکھا - گو اس میں شک نہیں کہ وہ برائے نام خراج ادا کرتی تھیں - اور بادشاہِ ہند کی شہنشاہیت قبول کئے ہوئے تھیں - اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف میں مغل حکومت کی تقسیم کے موقع پر، نادر شاہ کے حملہ کے بعد ان راجپوت حکمرانوں نے جو شہر جموں کے گرد اگرد اپنا سکہ جمائے ہوئے تھے، اپنی کامل آزادی کو دوبارہ حاصل کر لیا بلکہ انہوں نے راجہ دھروڈیو اور اس کے بیٹے راجہ رنجیت دیو کے عہدِ حکومت میں شمالی پنجاب کی سیاسیات میں تھوڑی سی شہرت بھی حاصل کر لی - رنجیت دیو ایک ایسا حکمران تھا جس کی ان پہاڑی قطعوں میں جو اس کے زیر نگین تھے - بہت قدر و منزلت اور عزت کی جاتی تھی - اس نے بانہال کے راستے راجہ سکھ جیون کی سرکوبی کے لئے کشمیر کو ایک چھوٹی سی فوج روانہ کی جس کے صلہ میں اُسے دُرانی بادشاہ نے ایک جاگیر عطا کی - اس نے جموں کے اردگرد کے اکثر کوہستانی راجاؤں کو اپنا مطیع بنایا - جن میں انہار سنگھ - راجہ کشتواڑ، شمشیر چند، راجہ چینی کرجیپال راجہ بھدرواہ اور امرت پال - راجہ بسوہلی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں - راجہ رنجیت دیو کی پنجاب میں بھی بہت سی جاگیریں تھیں - بالخصوص گجرات کے ضلع میں - لیکن رنجیت دیو کی حاصل کردہ

آزادی کو محض مختصر سی زندگی نصیب ہوئی۔ یعنی اسلامی حکومت کے زوال کے ساتھ بڑے بڑے سکھ رہنماؤں نے سیاسی اور ملکی اہمیت حاصل کرنا شروع کر دی۔ اور جموں باقی ماندہ شمالی پنجاب کے ساتھ ساتھ بھنگی۔ کنہیا اور سکر چکیا۔ 'مثلوں' کی باہمی رقابت کا منظر بن گیا۔ 'بھنگی' 'مثل' کے سرداروں نے ۱۷۷۰ء کے قریب جموں پر حملہ کر دیا۔ اور رنجیت دیو کو باجگزاری پر مجبور کیا۔

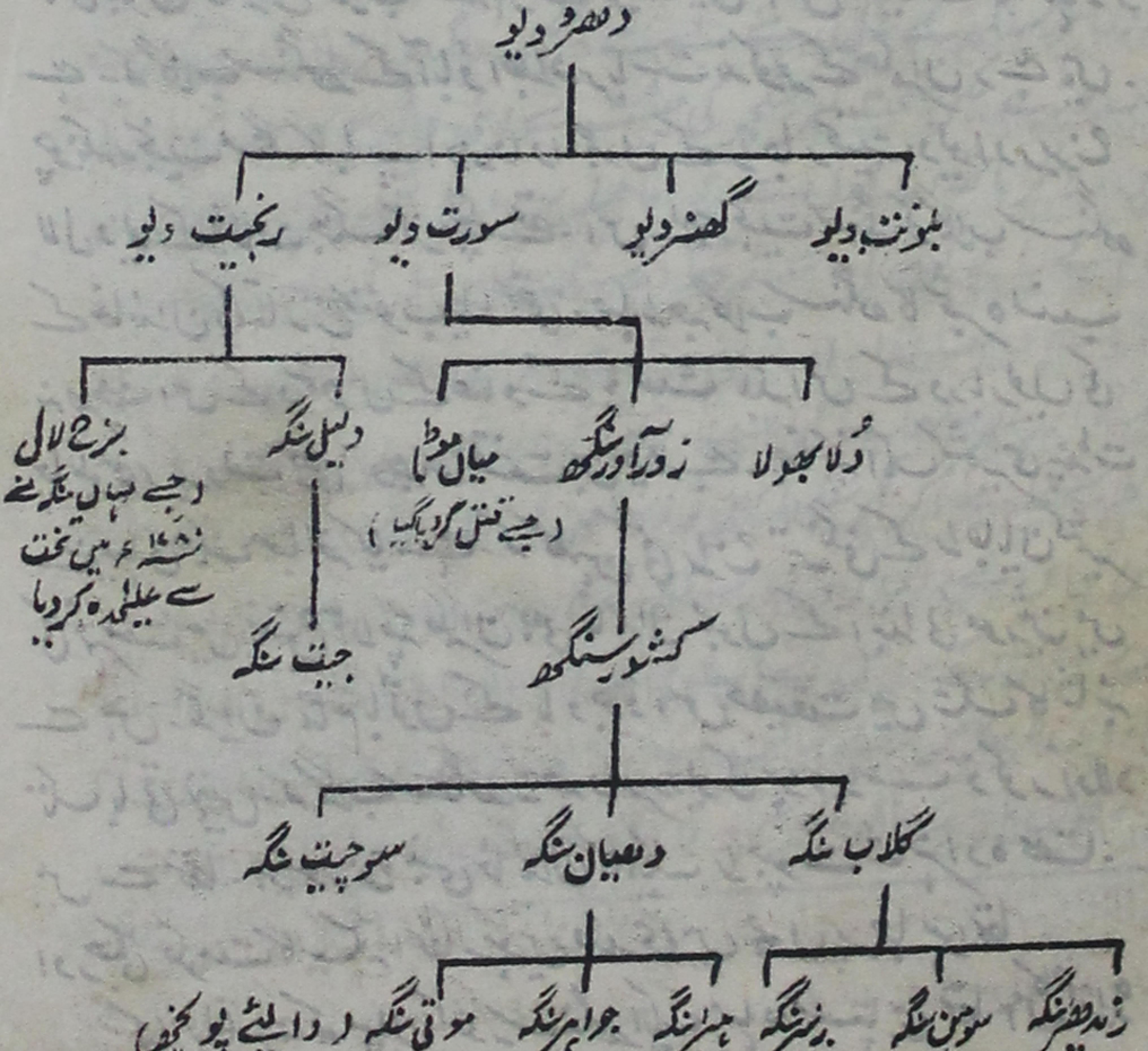
رنجیت دیو کے دو لڑکے تھے۔ برج لال اور دلیل سنگھ۔ برج لال نے اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس نے چڑت سنگھ سکر چکیا سردار کی اعانت طلب کی۔ اور دونوں نے مل کر جموں پر دھاوا بول دیا۔ رنجیت دیو کو طبعی طور سے امداد کیلئے بھنگی سردار پر انحصار کرنا تھا جنکی قیادت رنجیت دیو قبول کیئے ہوئے تھا۔ چنانچہ جموں میں جو جنگ ہوئی۔ اس میں چڑت سنگھ مارا گیا۔ اُدھر سکر چکیا اتحادیوں نے یہ سمجھکر کہ جھنڈا سنگھ بھنگی سردار کہیں اس بربادی سے فائدہ نہ اٹھا لے۔ اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

برج لال جو ۱۷۸۰ء میں باپ کا جانشین بنا۔ چڑت سنگھ کے بیٹے مہان سنگھ کا گہرا دوست تھا۔ جو تاریخ میں رنجیت سنگھ کا باپ ہے۔ برج لال نے اب خود کو اتنا قوی خیال کیا۔ کہ اس نے بھنگی سرداروں سے اپنے بعض املاک کا مطالبہ کیا۔ جو ان کے ہاتھ آ چکے تھے۔ اور اپنی خود مختاری کا ادعا کیا۔ چنانچہ بھنگیوں نے کنہیا مثل کی اعانت حاصل کی۔ اور مابعد کی جنگ میں مہان سنگھ کو شکست ہوئی۔ اور برج لال کو عاجزانہ صلح پر رضامند ہونا پڑا

جس کی رو سے اس نے کنہیا سردار کی باجگذاری اختیار کر لی۔ اس عذر پر کہ مذکورہ اخراج کی ادائیگی بعد لقایا ہو چکی ہے۔ کنہیا سردار نے جموں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور اس مہم میں مہاں سنگھ کی امداد طلب کی۔
مہاں سنگھ نے گو برج لال کی دوستی کی پختہ قسم کھا رکھی تھی۔ لیکن وہ اپنی اخلاقی ذمہ واریوں کو بھول گیا۔ اور کنہیا سردار کی امداد پر رضامند ہو گیا۔ مگر جو شخص اپنے قسمیہ دوست تک کی وفاداری پر قائم نہ رہ سکا ہو۔ اس سے عارضی اتحاد کی وفاداری کی توقع رکھنا محال ہے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ کنہیا سردار نے چڑھائی شروع کی۔ مہاں سنگھ نے جموں پر حملہ کر دیا۔ اور محلات میں فراہم شدہ خزینہ کو دل کھول کر لوٹا۔ مال غنیمت سے لدا ہوا مہاں سنگھ میدانی علاقہ کو واپس لوٹا اور برج لال دیو کو اپنی ریاست کے نظم ونسق تک محدود کر دیا۔ جموں کی لوٹ مار نے اس کی آزادی کو کچھ وقت تک کے لئے بچائے رکھا چنانچہ مناقشہ پذیر سرداروں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اب خزانہ میں کچھ باقی نہیں رہا۔ جموں کو اپنے حال پر رہنے دیا۔ اور خود چلتے بنے۔ گو دھرو دیو کے خاندان کا سکہ اردگرد کے علاقہ پر سے مفقود ہو گیا۔ لیکن برج لال ابھی تک جموں کے شہر اور قلعہ پر قبضہ جمائے ہوئے تھا۔ اور اس نے مختصر سی ریاست کی وضع اور دربار کا بحال جاری رکھا۔ اندرون علاقہ کے کوہستانی اضلاع خاندان کے دیگر ارکان کے تصرف میں رہے جو انہیں بطور جاگیر کے سنبھالے رہے۔ برج لال کی وفات پر اس کا جانشین اس کا ایک بالک لڑکا سمپورن دیو ہوا۔ اور ریاست کا انتظام برج لال کے چچیرے بھائی میاں موٹا کے ذمہ رہا۔ سمپورن دیو گیارہ برس کا ہو کر مر گیا

اور اس کی جگہ دلیل سنگھ کے بیٹے جیت سنگھ کو ملی ؂

گلاب سنگھ براہ راست راجہ دھرو دیو کے خاندان سے اس کے تیسرے بیٹے میاں سورت دیو کی وساطت سے متعلق ہے۔ سورت سنگھ کا جو اس طرح بہ راجہ رنجیت دیو کا تیسرا بھائی تھا۔ میاں زورآور سنگھ نام کا ایک لڑکا تھا۔ سورت سنگھ کے لڑکے کا نام کشور سنگھ تھا۔ جو جاگیر اندروا واقع جموں تحصیل کا مالک تھا۔ گلاب سنگھ زورآور سنگھ کا پوتا تھا چنانچہ کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔



مسٹر کننگھم اور دوسرے لوگوں نے خاندان جموں کے شجرہ نسب پر بعض شکوک کا اظہار کیا ہے۔ ان لوگوں کو سکھوں کی والہانہ مدحت سرائی نے انہیں راجہ گلاب سنگھ کے نامعقول تنفر پر محمول کیا ہے۔ جسے وہ سکھ سلطنت کی تباہی کا اہم ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ خاندان کے شجرہ نسب کے متعلق کوئی شبہ قائم نہیں رہ سکتا۔ زور آور سنگھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت کا کافی حصہ زندہ رہا۔ اور میاں کشور سنگھ والد گلاب سنگھ بھی زمانہ مابعد میں دربار لاہور میں شریک رہا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی جموں کا راج گلاب سنگھ کو عطا کرتے ہیں، اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ کہ گلاب سنگھ کے آباؤ اجداد ریاست مذکورہ کے حکمران رہے ہیں۔ چونکہ رنجیت سنگھ کا باپ اور دادا جموں کے راجا رنجیت دیو اور برج لال دیو کے خلاف جنگ کر چکے تھے۔ اس لیے رنجیت سنگھ کو گلاب سنگھ کے خاندان کی تاریخ خوب یاد تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا شجرہ نسب نہ صرف اس کے دشمنوں کے عناد کے باعث بلکہ اس کے درباریوں کی چاپلوسی بدولت بھی، وجہ مناقشت بن چکا ہے۔ چنانچہ ایک کشمیری پنڈت نے یہاں تک مبالغہ کیا ہے۔ کہ کلہن کی راج ترنگنی کے راجایان کشمیر کی فہرست میں پینتیس ۳۵ لاپتہ حکمران بھی خاندان جموں کے ابتدائی مورثین میں سے ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود اس حقیقت میں شک کا شائبہ تک باقی نہیں۔ کہ گلاب سنگھ راجہ دھرو دیو کی براہ راست ذکور اولاد میں سے تھا۔ جو سورج بنسی خاندان کا ایک راجپوت شاہزادہ تھا۔

اور جسکی حکومت کا سکہ اٹھارہویں صدی میں جموں پر جما ہوا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ میاں کشور سنگھ ایک بہادر سپاہی تھا۔ اس کا گذارہ

بیشتر اپنی اندرآ کی جاگیر پر تھا۔ جو زمانہ حال کے قصبہ سانبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع تھی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ میاں کشور سنگھ کی مالی حالت بس سبز نہیں تھی۔ اور اسے شہرت صرف اس وقت حاصل ہوئی جبکہ اس کے بیٹے نامور بن چکے تھے۔ کشور سنگھ کی شادی جج قوم کی ایک راجپوت خاتون سے ہوئی۔ شادی کی رسم ضلع بسوہلی کے گاؤں موضع گم مدتھا میں ادا ہوئی۔ اس بیوی سے کشور سنگھ کے تین لڑکے تھے۔ یعنی گلاب سنگھ دھیان سنگھ۔ سوچیت سنگھ۔

گلاب سنگھ ۱۷۹۲ء میں بمطابق ۵ رکاتک سمت ۱۸۴۹ بکرمی پیدا ہوا دھیان سنگھ ۱۷۹۶ء میں پیدا ہوا۔ اور سوچیت سنگھ کی پیدائش ۱۸۰۱ء میں واقع ہوئی۔ بچپن کے ابتدائی ایام میں گلاب سنگھ کو اپنے دادا زور آور سنگھ کے ہاں رہنے کے لئے بھیج دیا گیا۔ ان دنوں زور آور سنگھ ایک بوڑھے لیکن سخت گیر جنگجو کی حیثیت سے اپنی جاگیر موسومہ بہ دیاور گو میں رہا کرتا تھا۔ جو جموں سے کچھ فاصلہ پر واقع تھی۔ اس وقت کے تمام سچے راجپوتوں کی مانند زور آور سنگھ مطالعہ علم کو نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے اپنے پوتے کو تعلیم دلانے اور علم سکھلانے کی تکلیف قطعاً گوارا نہیں۔ اب ظاہر ہوتا ہے کہ گلاب سنگھ نے اگر کچھ سیکھا بھی تو وہ محض نوشت و خواند تک محدود تھا۔ لیکن گو اس کے دادا زور آور سنگھ نے گلاب سنگھ کو درسی تعلیم دینے کی پرواہ نہیں کی۔ اس نے اپنے پوتے کو تمام مردانہ صفتوں میں طاق کر دیا۔ اس طرح پر عمر کے نہایت ابتدائی حصہ میں گلاب سنگھ گھوڑے کی سواری کسی ماہر رسالہ کے سوار کی مانند کر سکتا۔ اور اپنی تلوار کا

اچل وار

کے ساتھ چلا سکتا۔ گلاب سنگھ ایک نہایت عمدہ نشانہ باز بھی تھا۔
چنانچہ گلاب سنگھ کو اپنی نبرد آزمائی دکھانے کا جلد موقع حاصل
ہوا۔ جموں کے کوائف ابتری کا نقشہ پیش کر رہے تھے۔ راجہ جیت سنگھ
یعنی برج لال دیو کا بھتیجا ایک نااہل آدمی تھا۔ اور اس کی رانی ایک
حریص اور سازشی عورت تھی۔ اس نے معاملات کا انتظام خود اپنے ہاتھ
میں لے لیا۔ اس ابتری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رنجیت سنگھ نے
۱۸۰۸ء میں بھائی حکم سنگھ کو حکم دیا۔ کہ وہ جموں کو تحویل میں لاکر اس
کا الحاق سکھ ریاست سے کر دے۔ چنانچہ سکھ جرنیل نے مسلح
فوج کے ساتھ پیش قدمی کی۔ اور حدود جموں تک جا پہنچا۔ میاں
موٹا نے جو شہر کی حفاظت پر مامور تھا۔ ایک مختصر سی سپاہ منظم کی اور
جنگ آزمائی کی خاطر شہر سے باہر نکل آیا۔ جب فریقین کی توجوں کا گمٹ
دروازہ کے باہر آمنا سامنا ہوا۔ تو نوجوان گلاب سنگھ جو ابھی
۱۶ سالہ کا بچہ تھا۔ لڑائی میں پیش پیش نظر آیا۔ اس کی نبرد آزمائی کی روح
محرک ہو چکی تھی۔ اور یہ ایک بے مثل موقع تھا۔ جہاں وہ اپنے راجپوت
بھائیوں کے سامنے خود کو ممتاز ثابت کر سکے۔ اور اپنے لئے نام پیدا کر
سکے۔ گلاب سنگھ نے بغیر اپنے دادا کی اجازت لئے اصطبل سے ایک
گھوڑا مستعار لیا۔ اور میدان جنگ میں آدھمکا۔ اس دن گلاب سنگھ کی نبرد
آزمائی نے حکم سنگھ کی توجہ کو جذب کر لیا۔ جو دشمن فریق کا جرنیل تھا۔
حفاظتی فریق کو کسی حد تک کامیابی ہوئی۔ جس میں گلاب سنگھ کا ہاتھ کوئی
معمولی نہیں تھا۔ چنانچہ حکم سنگھ کو اپنی افواج سید گڑھ کی جانب
ہٹانا پڑیں لیکن ایک معمولی جنگ رنجیت سنگھ کی افواج کے طوفان کو

مزاحم نہ کر سکی۔ اور سارے کا سارا صوبہ رنجیت سنگھ اور دربار لاہور کے قبضہ میں داخل ہو گیا۔

اس واقعہ کے بہت جلد بعد گلاب سنگھ نے اپنے دادا کی کفالت کو خیرباد کہہ دیا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن اس نے اپنے دادا کے اصطبل سے ایک گھوڑا لیا۔ اور جنگل میں سواری کی خاطر چلا گیا۔ غیر محتاط سواری سے اس نے جانور کو زخمی کر دیا۔ اور واپسی پر اس کے دادا نے جو خالص سپاہی مذاق کے ماتحت اپنے گھوڑے سے بھائی بند کی طرح محبت کرتا تھا۔ لڑکے کو اس کی لاپرواہی کی وجہ سے گالی گلوچ دی۔ لڑکے کا دل (جسکی عمر ابھی بمشکل سترہ سال سے متجاوز نہ تھی) اس ناحریانہ الفاظ سے اس قدر مجروح ہوا۔ کہ اس نے اپنی ماں سے چند زیورات لئے اور رات کے وقت چند خادموں سمیت گھر سے روانہ ہو گیا۔ اسکی اصل منشا شاہ شجاع کی فوج میں بھرتی ہو جانے کی تھی۔ شاہ شجاع کابل کا بدنصیب حکمران تھا۔ جسے اس کے چچا شاہ محمود نے افغانستان سے بدر کر دیا تھا۔ لیکن بکرزئی قبیلہ کی امداد بدولت اس نے دوبارہ تخت و تاج حاصل کر لیا تھا۔ مگر گلاب سنگھ جونہی دریائے سندھ کے موقعہ پر وارد ہوا۔ اس کے ہمراہیوں نے افغانستان جانے سے انکار کر دیا۔

کابل پہنچنے کے ارادہ میں ناکام رہ کر گلاب سنگھ دیوان خوشونت رائے کے پاس پہونچا۔ جو سردار نہال سنگھ والیئے اٹاری کی جاگیر کا منصرم تھا جاگیر کے باشندے دیوان مذکور کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگوں کو اپنی ظالمانہ وصولیوں کی بدولت بہت تنگ کیا کرتا تھا۔ چونکہ اہل جاگیر

کے ہاں بہت سی بدامنی پائی جاتی تھی۔ دیوان ندکور نے مختصر سی فوج فراہم کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ وہ اپنی اور اپنے آقا کی جائیداد کی حفاظت کر سکے۔ گلاب سنگھ دیوان کے ہاں پہنچا اور اپنی خدمات پیش کیں۔ جو دیوان نے قبول کر لیں۔ گلاب سنگھ خود اس داستان کا ذمہ دار ہے۔ کہ ایک جمعہ دار نے جو قبل ازاں زور آور سنگھ کی ملازمت میں تھا۔ خوشوقت رائے سے نئے رنگروٹ کی اصلیت کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ گلاب سنگھ کو حصول شہرت کے لئے کسی زیادہ وقت کا انتظار کرنا نہ پڑا۔ ملازمت میں آنے کے معین بعد ایک معمولی جنگ رونما ہوئی۔ جس میں اہل دیہات نے دیوان کی نوجوان کو تتر بتر کر دیا۔ اور خود قلعہ پر حملہ کر دیا۔ یہ محض گلاب سنگھ کی جرأت اور مستعدانہ اقدام کا نتیجہ تھا۔ کہ اس نے قلعہ کو بچا۔ اور دیوان کو ابتدائی بغاوت فرو کرنے کے قابل بنا دیا۔ گلاب سنگھ کے اس کارنامہ نے عام توجہ کو جذب کر لیا۔ اور حکم سنگھ نے جسے قبل ازیں نوجوان میاں کی نبرد آزمائی مشاہدہ کرنے کا موقع مل چکا تھا۔ اس کیفیت کی رپورٹ رنجیت سنگھ سے کر دی۔ چنانچہ رنجیت سنگھ نے میاں موٹا سے کہا کہ وہ گلاب سنگھ کو اس کے ہاں بھیج دے۔ سمت ۱۸۶۶ بکرمی مطابق ۱۸۰۹ء میں گلاب سنگھ ڈسکہ کے مقام پر رنجیت سنگھ کی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ جو سیالکوٹ سے چند میل کے فاصلہ پر ان دنوں ایک گاؤں تھا۔

دوسرا باب

گلاب سنگھ دربار میں

گلاب نامہ کا مصنف رقمطراز ہے کہ گلاب سنگھ کو رنجیت سنگھ کی ملازمت میں ۲۷۵ روپے مشاہرہ پر ایک رجمنٹ کے کمانڈر کی حیثیت سے بھرتی کر لیا گیا۔ یہ بیان کوئی ناقابل امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مسٹر لنگھم اور اس کے بعد کے بہت سے انگریز مصنف کہتے ہیں۔ کہ گلاب سنگھ کو دربار لاہور میں دوندہ پیادہ کے طور پر بھرتی کیا گیا۔ مگر یہ بیان قطعاً قابل قبول نہیں ٹھہر سکتا۔ یہ امر واضح ہے۔ کہ گلاب سنگھ کو رنجیت سنگھ ذاتی طور پر اچھی طرح سے جانتا تھا۔ اور مہاراجہ کے قرب وہ ایک کافی اہم منصب پر مامور تھا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اپنے تقرر کے عین بعد اس نے اپنے بھائی میاں دھیان سنگھ کو دربار میں حصول ملازمت کی خاطر پیش کیا چنانچہ دھیان سنگھ کو ۶۰ روپیہ مشاہرہ پر متعین کر لیا گیا۔ اسی طرح گلاب سنگھ نے کشور سنگھ کا مہاراجہ رنجیت سنگھ سے تعارف کرایا۔ جس نے کشور سنگھ کو ۵۵ روپیہ

ماہوار کے ایک دیوانی منصب پر لگایا۔

۱۸۰۹ء میں جب کہ گلاب سنگھ دربار لاہور کی ملازمت میں شامل ہوا۔ رنجیت سنگھ کو ابھی وہ اہمیت اور شہرت حاصل نہیں ہوئی تھی جس کی بدولت اسے بعد میں "شیر پنجاب" کا خطاب ملا۔ اس وقت تک رنجیت سنگھ کو محض ایک عروج پذیر حاکم خیال کیا جاتا تھا۔ اس کی سلطنت جو مابعد پامیر سے سندھ تک اور پشاور سے ستلج تک پھیل گئی۔ اور نہ صرف پنجاب پر بلکہ صوبہ سرحدی اور علاقہ جموں و کشمیر پر حاوی تھی۔ ابھی صرف معرض تشکیل میں تھی۔ رنجیت سنگھ کو لاہور کا قبضہ اور راجہ کا خطاب صرف ۱۷۹۹ء میں حاصل ہوا۔ اور یہ محض ۱۸۰۲ء کا سال تھا۔ جبکہ اسکی عمر بائیس سال کی تھی۔ کہ رنجیت سنگھ نے امرتسر پر حملہ کیا۔ اور اس شہر کو فتح کیا۔ مزید براں سکھ مثلوں کی طاقت کا خاتمہ اس وقت تک نہیں ہوا تھا۔ جبکہ ۱۸۱۰ء میں ان کا باہمی اتحاد کی تباہی عمل میں آئی۔ ۱۸۰۹ء میں انگریزوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے صلح نامہ کیا۔ کیونکہ انہوں نے اس کے وجود میں ایک طاقتور سرحدی حکمران کا مشاہدہ کیا۔ جو کسی وقت اپنی شخصی حکومت کے ماتحت خالصہ افواج کو مجتمع کرے گا۔ گو مہاراجہ اپنی پوزیشن کو آئے دن مستحکم کر رہا تھا۔ لیکن اس امر کو ذہن نشین کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۸۰۹ء میں جبکہ گلاب سنگھ اس کی ملازمت میں آیا وہ ابھی پنجاب کا نامور اور غالب حاکم نہیں بنا تھا۔ بلکہ محض ایک اہم اور عروج پذیر سکھ حکمران تھا۔ جس کا خطاب نو افغانی عطیہ کا ممنون تھا۔ اور جس کی طاقت سکھ مثلوں کے اتحاد کا نتیجہ تھی۔

سنہ ۱۸۱۲ء میں رنجیت سنگھ کشمیر کے خلاف اپنی اولین مہم پر روانہ ہوا اس کی ہمراہی میں فتح خاں، شاہ محمود والئے کابل کا وزیر تھا۔ اس مہم کے مابعد کے واقعات کو سمجھنے کے لئے اس زمانہ کی افغانی سلطنت کی حالت کا مطالعہ کر لینا ضروری ہے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں درانی سلطنت، تمام کی تمام وادئ سندھ پر حاوی تھی۔ جس میں ملتان کشمیر اور وادی مذکور سے متعلق پہاڑی صوبے بھی شامل تھے۔ ان دنوں پشاور، اٹک اور دوسرے مقامات افغانستان کے اپنی معقول ہیں لابدی حصے سمجھے جاتے تھے۔ جن میں کہ آج ہرات اور قندھار خیال کئے جاتے ہیں۔ کشمیر مذکور سلطنت کا ایک مسلمہ صوبہ تھا۔ زمان شاہ جس کا نام ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے کبھی باعث خطرہ تھا۔ سنہ ۱۸۰۳ء میں تخت پر متمکن تھا۔ اور زمان شاہ موصوف ہی سے رنجیت سنگھ نے سنہ ۱۷۹۹ء میں راجا کا خطاب حاصل کیا۔ لیکن سال مذکور میں زمان شاہ کو اس کے بھائی محمود نے تخت سے علیحدہ کر دیا۔ محمود کو شاہ شجاع نے بے دخل کر دیا۔ شاہ شجاع وہی بدنصیب حکمران ہے۔ جسے آئندہ تیس (۳۰) سال کی تاریخ پنجاب میں اہم حصہ حاصل ہے۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں بارکزئی قبیلہ نے پھر بغاوت اختیار کی اور قبیلہ مذکور کے سردار فتح خاں نے محمود کو دوبارہ تخت پر بٹھلا دیا۔ اور سلطنت کے تمام اختیارات بحیثیت وزیر اپنے لئے محفوظ کئے۔ یہ وہی فتح خاں وزیر ہے۔ جو حملہ کشمیر میں بہ حیثیت سنگھ کا اتحادی بنا۔ جنرل محکم چند، رنجیت سنگھ کی خاطر مہم کا انچارج تھا۔ بحالیکہ فوج نے وادئ جہلم کے اوپر کی طرف اقدام شروع کر دیا۔

مگر یہ اتحاد راہ ہی میں منقطع ہو گیا۔ کیونکہ فتح خاں مذکور نے دیوان محکم چند پر سبقت لے جانا چاہی۔ گو فتح خاں کی چال ناکام رہی لیکن وہ کانٹے کی طرح چبھتا رہا۔ ۱۸۱۳ء میں مہاراجہ نے فتح خاں کو خارج کرنے کی کوشش کی۔ اور اس نے بذات خود کشمیر میں فوج کشی کی۔ چنانچہ اس مہم میں گلاب سنگھ کی رجمنٹ نے نمایاں حصہ لیا۔ اجل والیئے راجوری کے مشورہ پر افواج پنجاب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا۔ ایک فریق تو خود رنجیت سنگھ کی سرکردگی میں پونچھ کی راہ سے بڑھا۔ اور دوسرا دستہ نامور محکم چند کے پوتے دیوان رام دیال کی رہنمائی میں بہرام گلا کے راستے روانہ ہوا۔ مگر حملہ آور افواج کی یہ تقسیم ہلاکت ثابت ہوئی۔ اور گورنر کشمیر نے رام دیال کی فوج کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ سکھوں کے تعاقب میں لوگوں نے بھی بغاوت اختیار کر دی۔ اور گلاب سنگھ اور اس کی فوج بمشکل جان بچا کر نکلے۔ ان خطرناک حالات میں گلاب سنگھ نے اپنے ہمراہیوں کو دوبارہ مجتمع کرنے اور انہیں صحیح سلامت واپس لانے میں عظیم الشان حوصلہ کا اظہار کیا۔ گلاب سنگھ کا والد میاں کشور سنگھ اس مہم میں زخمی ہوا۔ رنجیت سنگھ، گلاب سنگھ کی کامیابی سے بہت خوش ہوا۔ اور کھروٹی اور بیول کے علاقے اسے بطور جاگیر کے دیئے۔ اور اس کا فوجی منصب زیادہ کر دیا۔

ان دنوں سکھ گورنمنٹ کی سازش کے طفیل میاں زور آور سنگھ کے بھائی میاں موٹا کو جموں کے مقام پر قتل کر دیا۔ اور اس واقعہ کا گلاب سنگھ کے مستقبل پر بہت بڑا اثر ہوا۔

ہم قبل ازیں ذکر کرچکے ہیں۔ کہ کیونکر بندرال جیسی جوشیلی رانی نے انتظام جموں کو خود اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی۔ رانی مذکور کے منصوبوں کی راہ میں بڑی رکاوٹ اس کے خسر کے بھائی میاں موٹا سنگھ کا وجود تھا۔ جسے علاقہ میں عظیم الشان اثر حاصل تھا۔ ۱۸۱۲ء میں شہزادہ کھڑک سنگھ (رنجیت سنگھ کا سب سے بڑا لڑکا) جسے جموں بطور جاگیر کے دیا گیا۔ شہر کا قبضہ اختیار کرنے آیا۔ اور رانی بندرال اسکی محبوبہ بن گئی۔ جب اس معاملہ کی اطلاع رنجیت سنگھ کو ہوئی۔ تو اس نے حکم دیا۔ کہ جموں کا نظم و نسق موٹا سنگھ کے مشورہ سے چلایا جائے۔ اور اسے بارہ ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی جاگیر دی جائے۔ اس بات نے رانی کو بہت ناراض کردیا۔ جب کھڑک سنگھ لاہور واپس ہوا۔ تو اس نے گجرانسنگھ کلال دیوان اجیت سنگھ کو بطور گورنر کے پیچھے چھوڑا۔ رانی نے بلے خوف و خطر دیوان مذکور سے سازش کی۔ جس پر اسے بہت بڑا اثر حاصل ہوگیا۔ اور اسے میاں موٹا کے قتل کے حکم کی ترغیب دی۔ چنانچہ یہ بزدلانہ مہم نراسو اور سسترو دو اجرتی قاتلوں کے سپرد کی گئی۔ جنہوں نے میاں مذکور کو راہ جاتے ۱۸۱۲ء میں تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔

ایک دن دربار لاہور کو جاتے ہوئے گلاب سنگھ اور دھیان سنگھ کی راہ میں بھاٹی گیٹ کے قریب مذکورہ قاتل آ نکلے۔ جس پر انہوں نے ان دونوں کو قتل کردیا۔ بھائیوں کے اس فعل نے شہر لاہور میں تہلکہ مچادیا۔ بالخصوص اس لئے کہ مذکورہ اجرتی قاتل

شہزادہ کھڑک سنگھ کی پناہ میں سمجھے جاتے تھے۔ جب گلاب سنگھ دربار میں پہنچا۔ تو پہرہ داروں نے اس سے اسلحہ دے دینے پر اصرار کیا۔ مگر اس نے تعمیل سے انکار کر دیا۔ لیکن رنجیت سنگھ نے اس واقعہ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اور صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کیا۔ کہ گلاب سنگھ کو اپنی زندگی کے متعلق زیادہ محتاط رہنا چاہیئے چونکہ رنجیت سنگھ کو دونوں بھائیوں کے خلاف انتقام کا خطرہ تھا۔ اس نے احتیاطاً دھیان سنگھ کو مشہور افسر ڈیوڑھی یا لقب جمعدار خوشحال سنگھ کے ماتحت لگا دیا۔ جو ان دنوں دربار لاہور میں سب سے بڑھکر طاقتور آدمی تھا۔

گلاب سنگھ دربار لاہور میں دن بدن منظور نظر ہوتا گیا جالندھر کے محاصرہ میں اس نے بڑے امتیاز کا ثبوت دیا۔ اور اسے انعام کے طور پر چوہنر اور رام گڑھ کی مزید جاگیریں عطا کی گئیں اسے یہ بھی اختیار دیا گیا۔ کہ وہ سو سپاہیوں کی خود اپنی کمپنی تیار کر لے۔ یہ پہلی سپاہ تھی جس نے گلاب سنگھ کو اپنا مالک تسلیم کیا۔ رام گڑھ کو تھوڑی جنگ کے بعد معرض تحویل میں لایا گیا۔ اور میاں زور آور سنگھ نے مع اہل و عیال وہاں اپنی مستقل رہائش اختیار کی (یہ وہی جگہ ہے جہاں راجہ ہیرا سنگھ پیدا ہوا)

۱۸۱۰ء میں رنجیت سنگھ نے میاں دیوان سنگھ کو ریاسی بطور جاگیر کے عطا کی۔ جو جموں کے قرب میں ایک اہم ضلع ہے۔ دیوان سنگھ مذکور گلاب سنگھ کا جانی دشمن تھا۔ اور موٹا سنگھ کے قتل میں وہ پیشروؤں میں سے ایک خود تھا۔ گلاب سنگھ ایسے جوشیلے سردار

نے جو اس تمام کوہستانی ملک کو واحد سلطنت میں متحد کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ جس پر کہ اس کے آباو اجداد کی حکومت تھی۔ طبعاً اس امر کو بُرا منایا۔ کہ ریاسی کی جاگیر اس کے دشمن کو عطا ہو۔ چنانچہ جب دیوان سنگھ ابھی میدانی علاقے میں تھا۔ گلاب سنگھ نے اس پر سبقت حاصل کر لی۔ علاقہ ریاسی پر قبضہ کر لیا۔ اور وزیر زورآور کلہوریا کو جس کے مقدر میں فاتح لداخ اور تبت کی لازوال شہرت آچکی تھی۔ اس کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔ لیکن گلاب سنگھ کا رقیب ایک اثر و جرات کا مالک تھا۔ دیوان سنگھ کے پاس مویدین کی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ اور ان کے اشتعال پر تمام کا تمام ضلع گلاب سنگھ کے غیر مجاز فعل کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ زورآور پر قلعہ میں بہت زور ڈالا گیا۔ لیکن اس جرات و بہادری اور دلیری کو جس نے بعد میں اسے لداخ اور بالتستان کی فتح کے قابل بنایا۔ محض ایک مقامی محاصرہ کب متزلزل کر سکتا تھا۔ چنانچہ دشمن کی انتہائی کوششوں کے باوجود شہر پر قبضہ جمائے رکھا۔ جب کشور سنگھ کو ریاسی کی فوج کی پریشان حالی کا علم ہوا۔ تو اس نے گلاب سنگھ کو اصل حالت سے باخبر کرنے کے لئے چند نوکر جموں بھیجے۔ گو گلاب سنگھ لاہور گیا ہوا تھا۔ لیکن دیوان جوالا سہائے کا والد دیوان امیر چند جو گلاب سنگھ کی زندگی کے آخری واقعات میں نہایت ممتاز نظر آتا ہے۔ جموں کے معاملات کا انچارج تھا۔ اور اس نے بسرعت کمال اس معاملہ کو ہاتھ میں لے لیا۔ خزانہ میں روپیہ مفقود تھا۔ اور اس کی کمان میں کوئی فوج بھی نہیں تھی۔ اس نے علاقہ کے راجپوتوں کی امداد حاصل

کرنے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ وہ گلاب سنگھ کی روز افزوں حالت پر حسد کھاتے تھے۔ اس لئے وہ ارادے سے دست کش رہے۔ تاہم امیر چند کوئی ایسا آدمی نہیں تھا۔ جو آسانی سے نا اُمید ہو جائے۔ اس نے جموں کے ایک سوداگر سے قرض لیا۔ جس قدر اسلحہ اور سامان جنگ فراہم کر سکتا تھا کیا۔ اور ریاسی پر چڑھائی کر دی۔ دیوان کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے۔ لیکن اس نے راستے میں رنگروٹ جمع کر لئے۔ وہ اس طرح کہ اس نے لوگوں کو ایک چٹھی دکھلائی اور کہا کہ یہ راجہ گلاب سنگھ کے ہاں سے مجھے آئی ہے۔ اور اس میں لکھا ہے۔ کہ میں خود چلا آؤنگا۔ میں لاہور میں بیش از بیش مورد عنایات بن رہا ہوں۔ اس طریق سے اپنے جتھے کو مستزاد کر کے دیوان موصوف ریاسی پہنچا۔ اور محصور سپاہ کو مخلصی دلائی۔

لاہور میں ملازمت اختیار کرنے کے تقریباً چھ سال کے اندر اندر گلاب سنگھ ایک نامور سردار بن چکا تھا۔ اپنی معتدبہ خدمات کے صلہ میں اس کے قبضہ میں بہت سی اراضیات آ چکی تھیں۔ جو اسے بطور جاگیر کے عطا ہوئیں۔ اور وہ ان چند سرداروں میں سے ایک تھا۔ جنہیں اپنی ذاتی اور باقاعدہ فوج رکھنے کا استحقاق حاصل تھا۔ ادھر راجہ دھیان سنگھ بھی دربار لاہور کا بہت بڑی حد تک منظور نظر بن چکا تھا۔

ان تمام مہمات میں جو سکھ بادشاہ نے ان دنوں اختیار کیں۔ گلاب سنگھ نے نہایت نمایاں حصہ لیا۔ بالخصوص محاصرہ ملتان کے موقع پر ۱۸۱۹ء میں اسکی ذاتی بہادری نے رنجیت سنگھ کی عنایت اور نظر کو جذب کر لیا۔ دوران محاصرہ میں جبکی سرانجام دہی رنجیت سنگھ کی نگرانی میں کی گئی۔ ایک سکھ سردار قلعہ کے عین دامن میں مردہ گر پڑا۔ اور رنجیت سنگھ نے جو مقتول

ہزار کا ناشتق تھا۔ اپنے افسروں کو حکم دیا۔ کہ وہ موقع پر پہنچکر لاش کو واپس لے آئیں۔ مگر سوائے گلاب سنگھ کے کسی کو بھی جرأت نہ ہوئی۔ گلاب سنگھ بلا کراہت آگے بڑھا۔ تمام فوج کو ورطۂ حیرت میں ڈالتے ہوئے مقتول رفیق کی لاش اپنے گھوڑے پر واپس لے آیا۔

سنہ ۱۸۱۵ء اور سنہ ۱۸۲۰ء کے مابین رنجیت سنگھ کی سرحدی مہموں میں گلاب سنگھ نے ممتاز اور نمایاں حصّہ لیا۔ ان مہمات میں سب سے زیادہ اہم سنہ ۱۸۱۹ء میں قبیلہ یوسف کیخلاف جنگ تھی۔ جس نے رنجیت سنگھ کو تسخیر پشاور کے قابل بنادیا۔

سنہ ۱۸۱۹ء میں دھیان سنگھ کو افسر ڈیوڑھی یعنی نقیب اعظم بنایا گیا۔ اور اس سال خوشحال سنگھ کو گورنر ملتان بناکر بھیجا گیا۔ چنانچہ اسی تقرر کی بدولت دھیان سنگھ کو مہاراجہ پر اثر اعظیم حاصل ہو گیا۔

ان دنوں جموں کے پیچھے کا پہاڑی علاقہ میاں ڈیڈو نام کے ایک بیخوف سردار کے ہاتھوں خوف زدہ ہو رہا تھا۔ اندرون علاقہ میں میاں ڈیڈو کے الفاظ قانون کا حکم رکھتے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے قلعہ جموں میں سکھ سپاہ پر بھی دھاوا بول دیا۔ جو تعداد میں دو ہزار سے متجاوز تھی۔ مقامی راجپوت سرداروں نے میاں ڈیڈو سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور سکھوں کو کوئی امداد نہ دی۔ ادھر سکھوں نے بعض سرکردہ راجپوتوں پر ہاتھ ڈالا۔ انہیں کفالت میں لے لیا۔ اور پھر انہیں جیل میں مقید رکھنے کے لئے شیخوپورہ بھیجدیا۔ دیوان بھوانی داس نے جوماڈ سنگھ نام کے ایک راجپوت سردار کو جموں بلایا۔ اور محض اس شک پر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے کہ اس نے ڈیڈو کو پناہ دی ہے

یہ واقعہ عام شورش کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ جموں کے پیچھے تمام علاقے نے سکھوں کا جولا اپنے کندھے سے ڈال دیا اور میاں ڈیڈو نے پبلک ہیجان کی رہنمائی اختیار کی چنانچہ اس کی سرگرمیوں نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ اور یہ امر روشن ہو گیا۔ کہ یا تو اس کا خاتمہ ہو جائے۔ اور یا رنجیت سنگھ کو سیالکوٹ واپس رہنا پڑیگا۔

ایک دن عام دربار میں گلاب سنگھ نے درخواست کی۔ کہ اس کے سپرد مذکورہ بغاوت کے فرو کرنے کا کام کیا جائے۔ چنانچہ کمان حاصل کر کے وہ یکدم روانہ ہو گیا۔ اور اٹاری کے سردار عطر سنگھ کلول اور جگن ناتھ سنگھ اس کے ہمراہ ہوئے۔ گلاب سنگھ کی درخواست پر شیخوپورہ میں مقید سواروں کو رہا کر دیا گیا۔ جموں پہنچکر بغاوت کے فرو کرنے کے لئے وہ نہایت زور سے آگے بڑھا۔ مقامی سرداروں نے تو اطاعت اختیار کی۔ مگر میاں ڈیڈو نے اپنا ہنگامہ جاری رکھا ڈیڈو کی سرزنش کے لئے گلاب سنگھ نے جو طریقے روا رکھے۔ وہ اپنی نوعیت میں یکتا تھے۔ گلاب سنگھ نے جلد بھانپ لیا۔ کہ ڈیڈو جس گاؤں میں پہنچتا وہاں اسے مفت راشن مل جاتا۔ اور یا باغی سردار جہاں کہیں جاتا۔ اپنی ضروریات کا مطالبہ کرتا۔ اور بیچارے دیہاتی ڈر کے مارے اس کے مطالبات پورے کر دیتے۔ ڈیڈو کو گرفتار کرنے کے لئے اس صورت حالات کا قلع قمع ضروری تھا۔ چنانچہ گلاب سنگھ بعض دور افتادہ دیہات میں یک لخت جا دھمکا۔ اور وہاں اس نے ڈیڈو کے نام میں راشن طلب کیا۔ جب دیہاتی مطلوبہ اشیا لے آئے۔ تو اس نے اپنی اصلی شخصیت کا ان پر اظہار کیا۔ اور انہیں اس باغی کی امداد کے صلہ میں

منزا دی۔ جب اس طریق کی پیروی چند دیہات میں کی گئی۔ تو ڈیڈو نے محسوس کیا۔ کہ اب اسے راشن اور دیگر ضروریات نہیں مل سکتیں۔ کیونکہ جب اس نے اپنی طلب کو پیش کیا۔ تو دیہاتیوں نے اس حقیقت کو نہ جانتے ہوئے کہ آیا گلاب سنگھ ان کی وفاداری کا امتحان لے رہا ہے یا ڈیڈو۔ تعمیل سے انکار کر دیا۔

اس چالبازی کے بعد گلاب سنگھ مقام جگتی کی طرف بڑھا۔ جو ڈیڈو کا صدر مقام بنا ہوا تھا۔ باغی سردار خود موقع پر موجود نہیں تھا۔ مگر اس کا بوڑھا باپ نوّے سال سے متجاوز ہونے کے باوجود جگہ کی حفاظت کر رہا تھا۔ چنانچہ عطر سنگھ کلول نے اس معمر انسان کے اپنے گھر کے دروازے پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس واقعہ کی اطلاع پاکر ڈیڈو نے تریکوٹی کی چوٹی پر پناہ لی۔ اس چوٹی کا محاصرہ کیا گیا۔ اور اس انتہائی مرحلہ میں ڈیڈو اپنی بیوی اور بچوں کو دیوی کے مندر کے ایک برہمچاری کی حفاظت میں دے کر سر فروشی کی خاطر مردانہ وار باہر نکل آیا۔ ڈیڈو عطر سنگھ سے صف آرا ہوا۔ جو اس کے بوڑھے باپ کے قتل کا ذمہ دار تھا۔ اور اسے دو بدو جنگ کا چیلنج دیا۔ چنانچہ عطر سنگھ لڑائی میں مارا گیا۔ لیکن خود ڈیڈو کو بھی گلاب سنگھ کے سپاہیوں نے فوراً گولی کا نشانہ بنا دیا۔

سنہ ۱۸۲۰ء میں جموں کا علاقہ، زمینداری کی غرض سے گلاب سنگھ کو عطا ہوا۔ رنجیت سنگھ از منہ وسطیٰ کے طریق کی پیروی میں صوبجات کو خراج کی خاطر، سرداروں میں تقسیم کر دیا کرتا تا۔ جموں ہمیشہ سے ایک ناقابل ضبط اور دقت انگیز صوبہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور جب صوبہ مذکور کا

انتظام گلاب سنگھ کے سپرد کیا گیا۔ تو اس نے اس امر کا اظہار کیا۔ کہ خراج کی وصولی ناممکن ہے۔ اس لئے کہ یہ جگہ ابھی پورے طور سے مطیع نہیں ہوئی۔ لہذا رنجیت سنگھ نے اسے اجازت دیدی۔ کہ وہ خود اپنی فوج مہیا کرے۔ اسے راجہ کا خطاب عطا کیا۔ اور میاں کشور سنگھ اور دیوان جیندا سے گدی پر بٹھلانے کے لئے بھیجے گئے۔ حکومت جموں پر گلاب سنگھ کے اس تقرر کو علاقہ مذکور کے اس عطیہ سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔ جو گلاب سنگھ کو تین سال ما بعد میں موروثی جاگیر کے طور پر دیا گیا۔

۱۸۲۱ء میں گلاب سنگھ نے فتح کشتواڑ کا تہیہ کیا۔ چنانچہ اس غرض کے حصول کے لئے وہ اندرون علاقہ کی جانب بڑھا۔ راستے میں اس نے وبال چند راجہ بھنی کو اپنی سلامی کی خاطر طلب کیا۔ لیکن چونکہ راجہ مذکور حاضر ہونے پر تیار نہیں تھا۔ گلاب سنگھ نے طلبی کی خاطر اپنا خاص آدمی بھیجا۔ چنانچہ راجہ نے فتح کشتواڑ میں امداد کا وعدہ کیا۔ اس پر دریا چناب کو عبور کیا گیا۔ اور مقام ڈوڈا پر کیمپ لگایا گیا۔ بجائے کشتواڑ پر براہ راست حملہ کرنے کے گلاب سنگھ نے فیصلہ کیا۔ کہ پہلے ریاست میں کافی ہلچل پیدا کی جائے۔ راجہ تیجا سنگھ والئے کشتواڑ ایک وہمی آدمی تھا۔ لیکن اس کا کام وزیر لکھپت نام ایک قابل منتظم کے ذمہ تھا۔ گلاب سنگھ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھپت وزیر کے نام خط لکھا۔

"مجھے تمہاری عرضداشت پہنچی ہے۔ اور میں نے اس کے مضمون سے خود کو مطلع کر لیا ہے۔ تمہیں حکم

دیا جاتا ہے۔ کہ فوراً میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ اور جو فرائض تمہارے سپرد کیے گئے ہیں۔ انہیں تسلی بخش طریقے سے سرانجام دو۔ جس صورت میں میری مہربانی ہمیشہ تمہاری پشت پر رہے گی۔"

گلاب سنگھ نے اس امر کا التزام کیا۔ کہ خط راجہ کے ہاتھ میں پہنچے اور وزیر کے ہاتھ میں نہ جائے۔ چنانچہ راجا نے گلاب سنگھ کی چالبازی پر شبہ نہ کرتے ہوئے وزیر کو قید کر لیا۔ گو بعد میں وہ بھدرواہ کی طرف بچ نکلا۔ اس پر کشتواڑ مفتوح ہو گیا اور یہ جگہ گلاب سنگھ کا اولین خود مختار صوبہ تھا۔

وزیر لکھپت کو گلاب سنگھ کی ملازمت میں لے لیا گیا۔ اور اپنی وفات کے وقت تک جو ۱۸۴۹ء میں کشمیر میں واقع ہو۔ وہ راجہ گلاب سنگھ کا ایک نہایت معتبر افسر بنا رہا۔ اس نے اپنے آقا سے وفاداری کا ثبوت دیا۔ اور گلاب سنگھ نے اسے بہت سی نامور مہموں پر مامور کیا۔

ان دنوں ایک ضروری مہم جو گلاب سنگھ کے سپرد کی گئی راجوری کی فتح تھی۔ جو اس وقت راجپوت نسل کے ایک مقامی اسلامی خاندان کے زیر تسلط تھی۔ وہاں کا اعزخاں نام کا راجا گلاب سنگھ کو ایک سے زیادہ دفعہ عداوت کا موقع دے چکا تھا۔ چنانچہ یہ اسی کا دورنگی مشہور تھا۔ جس نے رنجیت سنگھ پر ۱۸۱۳ء میں کشمیر کی مہم کے موقع پر مصیبت نازل کی۔ گلاب سنگھ کے ذمہ راجا مذکور کو گرفتار کرنے کا کام لگایا گیا جس میں وہ کامیاب

ہئوا۔

سرکارِ لاہور کی ان ممتاز خدمات کے صلہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ اور اس کے ورثا کو صوبہ جموں عطا کیا۔ اور راجہ کا موروثی خطاب عنایت کیا۔ اس غرض کے لئے مہاراجا نہائت شان و شکوہ کے ساتھ اکھنور کے مقام پر پہنچا۔ اکھنور کا قصبہ اس نقطہ پر واقع ہے۔ جہاں دریائے چناب میدان میں اُترتا ہے یہ مقام بحیثیت کنارِ دریا واقع ہونے اور کوہستان کے شاندار سلسلہ کو پشتینہ بنانے کے لئے ایک نہایت دلکش منظر پیش کرتا ہے اکھنور کا قلعہ اٹھارہویں صدی کے خاتمہ پر میاں تیجا سنگھ نے تعمیر کروایا جو راجہ رنجیت دیو کا جاگیردار تھا۔ رنجیت سنگھ قلعہ مذکور میں اُترا۔ اور گلاب سنگھ کے راج تلک یا گدی نشینی کی تیاری شروع کردی۔

گلاب سنگھ کو جو اس وقت پہاڑی علاقہ کی کسی مہم میں مصروف تھا۔ شاہی حاضری میں طلب کیا گیا۔ ۴ ہر اساڑھ سمبت ۱۸۷۹ مطابق سنہ ۱۸۲۲ء کو رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کو گدی پر بٹھلایا۔ اور بہ نفس نفیس راج تلک کی رسم ادا کی۔ گلاب سنگھ کی پیشانی پر زعفران لگاتے ہوئے رنجیت سنگھ نے بجائے اوپر کی طرف تلک لگانے کے جیسا کہ دستور ہے۔ اسے نیچے کی طرف لگایا۔ اور جب کسی درباری نے سوال کیا۔ کہ جہاں پناہ نے قدیم رواج سے بے رخی کیوں کی ہے۔ تو مہاراجہ نے جواب دیا کہ:۔

"میں نے زمین میں بیج کو محکم کر کے بو دیا ہے۔ تاکہ وہ

خوب نشوونما پلائے مٹی میں اپنی جڑیں پختہ کر لے اور ہمیشہ تک قائم رہے"

اسی دن مہاراجہ رنجیت سنگھ نے میاں سوچیت سنگھ کو راجہ کے خطاب کے ساتھ رام نگر کی جاگیر عطا کی۔ اس پر گلاب سنگھ کو تعجب ہوا کہ دھیان سنگھ کو جو ان دنوں مہاراجہ کا اس قدر منظورِ نظر بنا ہوا ہے۔ کوئی علاقہ عطا نہیں ہوا۔ چنانچہ گلاب سنگھ نے درخواست کی کہ چونکہ میری اور سوچیت سنگھ کی اس طرح پر عزت افزائی کی گئی ہے۔ اس لئے دھیان سنگھ کو بھی جاگیر عطا ہونی چاہیئے۔ رنجیت سنگھ، گلاب سنگھ کی اس دور بینی سے بہت خوش ہوا۔ اور کہنے لگا۔ جہاں تک دھیان سنگھ کا تعلق ہے میری صلاح اسے جاگیر دینے کی نہیں ہے۔ بلکہ میں اسے راجہ راجگان یا راجاؤں کا راجا۔ بنانے کا متمنی ہوں۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے گلاب سنگھ کو شاہی سند بھی عطا کی۔ جس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

"اس مبارک موقع پر، انتہائی مسرت اور دلی محبت کے ساتھ، مابدولت راجہ گلاب سنگھ کو، اس کی وفادارانہ اور وفادارانہ خدمت کے صلہ میں چکلہ جموں کی حکومت عطا کرتے ہیں۔ جو نہایت قدیم زمانوں سے اس کے خاندان کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔ گلاب سنگھ اور اس کے بھائی دھیان سنگھ اور سوچیت سنگھ ہمارے دربار میں اپنی عمر کے نہایت ابتدائی حصہ میں حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے ہماری اور ہماری حکومت کی

وفاداری اور شغف سے خدمت کی۔ ان کے آباؤ اجداد نے بھی عرصہ
طویل تک ہمارے والد جہاں سنگھ مرحوم کے ماتحت مخلصانہ خدمت
سرانجام دی۔ انہوں نے ہماری خدمات مستعدی اور اطاعت گزاری
سے بجالائیں اور ہماری تعمیل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا
ہم نے ہمیشہ انہیں اپنا ہوا خواہ اور حکومت کا وفادار پایا۔ انہوں نے
اپنا خون بہت سی مہموں میں بے باکانہ بہایا ہے مثلاً فتح کشمیر میں
ملتان کے سر کرنے میں۔ باغیوں کو سزا دینے میں۔ سرحدی بغاوت کے
فرو کرنے میں اور افواج کابل سے جنگ کرنے میں۔ ان اور دیگر خدمات
کے صلہ میں ہم چکلہ جموں کی حکومت گلاب سنگھ اور ان کے ورثا
کو عطا کرتے ہیں۔ اور ہم بذاتِ خود اپنے اس وفادار اور جانباز
ملازم کی پیشانی پر ملوکیت کا تلک لگاتے ہیں۔ ہم نہایت مسرت
کے ساتھ راجہ سوچیت سنگھ کو بھی رام نگر کی حکومت۔ ملک
ذاتی اور موروثی کے طور پر خدمات جلیلہ کے صلہ میں عنایت کرتے
ہیں۔ راجہ سوچیت سنگھ اور اس کے ورثا ریاست مذکور کی آمدنی
کو حسب دلخواہ خرچ کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس خاندان کے راجہ ہماری
حکومت کے آئندہ بھی ایسے ہی وفادار رہیں جیسے کہ وہ اب تک
رہے ہیں اور ہماری اولاد کو بھی اسی عزت اور اطاعت کی نگاہ سے
دیکھیں اور ان کے ورثا بھی ہمارے اور ہماری اولاد کے ایسے
ہی وفادار رہیں۔ اس امر کی شہادت میں ہم خود اپنے ہاتھوں سے
اپنا پروانہ عطا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ زعفران کا گلدستہ بھی پیش
کرتے ہیں؛ مرقومہ ۴ اساڑھ سنہ ۱۸۷۹ بکرمی

اس وقت گلاب سنگھ ابھی تیس برس کا تھا۔ وہ اپنی کامرانیوں پر نازاں ہونے کا ہر پہلو سے حق بجانب تھا۔ کسی دوسرے وسائل سے نہیں بلکہ صرف ایک نام، ایک نامور سلسلہ جاری اور خود اپنی قابلیت کی بدولت، گلاب سنگھ اپنے موروثی مقبوضہ کو واپس لینے اور رنجیت سنگھ کے ہاتھوں راجہ جموں تسلیم ہونے میں کامیاب ہوا۔ بحیثیت جنگجو اس کی شہرت پنجاب بھر میں گونج رہی تھی۔ دربار لاہور میں گلاب سنگھ ایک نامور سردار بن چکا تھا۔ جہاں اس کے بھائی بھی بہت حد تک دربار کے منظور نظر بنے ہوئے تھے۔ دھیان سنگھ جس کی عمر ابھی بمشکل ۲۰ برس سے متجاوز تھی۔ عزیز الدین اور دینا ناتھ سے اتر کر سرکار لاہور میں سب سے بڑھ کر بااثر آدمی تھا۔ علاوہ ازیں وہ ڈیوڑھی افسر کے منصب پر بھی مامور تھا جس کی وجہ سے اسے رنجیت سنگھ سے گہرا تعلق حاصل رہا۔ سوچیت سنگھ سکھ فوج میں سب سے بڑھ کر خوش منظر اور خوبصورت آدمی خیال کیا جاتا تھا۔ اور وہ مہاراجہ کا برابر کا منظور نظر تھا۔ جموں کے شطیہ اور گلاب سنگھ کو اعظم خاں والئے ٹیڑھی واقع سرحد کے خلاف مہم پر بھیجا گیا۔ فوج برائے نام شہزادہ شیر سنگھ کی کمان میں تھی لیکن اس کی ہمراہی میں گلاب سنگھ اور ہری سنگھ نلوہ تھے۔ ہری سنگھ نلوہ اپنے وقت کے سرداروں میں سب سے بڑھ کر شریف اور نبرد آزما تھا۔ اور عزت بہادری اور جرات کا مجسم نمونہ تھا۔ دربار میں اس کی حیثیت بہت بلند تھی۔ اور وہ سکھوں کا معبود بنا ہوا تھا۔ ان دو کمان افسروں کی ہمراہی میں شیر سنگھ سرحد کی جانب بڑھا۔ خلیفہ سید احمد نام کے ایک مولوی نے قبائل کے مذہبی جنون کو ابھار رکھا تھا۔ اور یہ مہم اپنے اصلی انداز ... مشکل

ثابت ہوئی۔ فتح فی الفور سکھوں کے حصہ میں آئی۔ اور خوبرو لیکن ضعیف دل شیر سنگھ نے مراجعت کو پسند کیا۔ مگر گلاب سنگھ نے اسے اس تباہی آمیز ارادہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ بجالیکہ گلاب سنگھ کے بھائی بھی اس لمحہ تک جہم میں شامل ہو چکے تھے۔

۱۸۲۳ء میں وزیر فتح خاں کا بھائی دوست محمد بادشاہ کابل بنا اس کی موروثی سلطنت قبل ازیں ملتان، کشمیر، پشاور۔ ڈیرہ غازی خاں اور ڈیرہ اسماعیل خاں کھو چکی تھی۔ سرحد کا علاقہ طبعی طور سے مزید شورش کا منتظر بن رہا تھا۔ اور ۱۸۲۶ء میں سید اللہ مذکور نے دوبارہ علم بغاوت بلند کر دیا۔

سردار بدھ سنگھ جو سرحدی اضلاع کا انچارج تھا۔ مشکلات میں مبتلا تھا۔ اور گلاب سنگھ کو جو اس وقت جموں میں تھا۔ اس کی امداد پر روانہ ہونے کا حکم صادر ہوا۔ چنانچہ راجہ نے دیوان امیر چند کی سرکردگی میں اپنی فوج کو فی الفور بھیج دیا۔ اور بعدہٗ خود مقام پشاور پر پوری دوڑ بھاگ کے ساتھ ان سے جا ملا۔ وہاں پر ہری سنگھ نلوہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ مراجعت پر پٹھانوں نے اٹک کا پل توڑ دیا۔ جس نے مزید پیش قدمی کو مشکل بنا دیا۔ فوج کو پیچھے چھوڑتے ہوئے گلاب سنگھ نے مختصر سی سپاہ کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کر لیا۔ اور صرف ۳۰۰ آدمیوں کے ساتھ ایک پہاڑی کے پیچھے دشمن پر حملہ کر دیا۔ جب لڑائی ہو رہی تھی۔ تو ہری سنگھ نلوہ جو جوانمردی کے کسی کام میں پیچھے نہیں رہ سکتا تھا۔ گلاب سنگھ کے ساتھ شامل ہو گیا۔ دشمن فریق حملہ آوروں کی طاقت کا علم نہ رہتے ہوئے مراجعت پذیر ہو گیا۔ اس موقعہ پر گلاب سنگھ

کو بازو پر زخم لگا۔ فوج پندرہ دن تک وہاں مقام کئے رہی۔

سکھ سردار نے پوزیشن کی حفاظت کے لئے خندقوں کی تعمیر کی تجویز کی۔ لیکن گلاب سنگھ نے بہتر دور بینی سے کام لے کر اس امر کی ضرورت جتلائی۔ کہ دشمن کی طاقت کی موجودگی میں سکھوں کا بچاؤ ان کی حرکت میں مضمر ہے۔ اور ہری سنگھ کو اس تجویز کردہ طریق سے باز رکھا۔ ادھر قبائل نے دوست محمد کی اعانت طلب کی۔ جو ایک بڑی سپاہ کے ساتھ دریائے سندھ کی جانب روانہ ہوا۔ رنجیت سنگھ خطرہ کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے چوٹی کے امرا کی معیت میں خود مقام ہنگامہ پر آپہنچا قبل اس کے لڑائی شروع ہو۔ دوست محمد کے غیر مطمئن بھائی پیر محمد اور سلطان محمد گلاب سنگھ سے ساز باز کرنے لگ گئے۔ سلطان محمد نے اپنے بچاؤ کی گفت وشنید کے لئے گلاب سنگھ سے ذاتی ملاقات کی درخواست کی۔ چنانچہ اس کے اور رنجیت سنگھ کے مابین ملاقات کا انتظام کر دیا گیا۔ بحالیکہ رنجیت سنگھ افغانی حملہ کی ناکامی سے بہت محظوظ ہوا۔ سکھ حکمران نے سلطان محمد کی اطاعت قبول کر لی۔ (یاد رہے کہ سلطان محمد بعدہٗ دربار لاہور میں چوٹی کے سرداروں میں سے ہوگیا اور بحیثیت جری انقلاب امیر کے اس کی تمام فروگذاشت کر سکتے تھے) اور اسے علاقہ پشاور دینے پر رضامند ہوگیا۔ اس گورنر نے ہری سنگھ کو ناراض کر دیا۔ اور یہ محض گلاب سنگھ کی ذاتی مداخلت کی بدولت تھا کہ سلطان محمد کو اپنے بھائی کے ہاں واپس نہ بھیجا گیا۔ ادھر دوست محمد اپنے بھائیوں کی غداری پر پیچ وتاب کھاتے ہوئے واپس کابل چلا گیا۔

۱۸۲۵ء میں گلاب سنگھ نے اندرون جموں میں فتوحات حاصل کیں۔ دیوان امیر چند۔ اور میاں گلاب سنگھ دلیتیا کی ہمراہی میں اس نے قلعہ سمارتھ پر قبضہ کر لیا۔ اور ارد گرد کے علاقہ کو مسخر کر لیا۔ سنہ ۱۸۲۰ء اور سنہ ۱۸۲۲ء کے درمیانی عرصہ میں گلاب سنگھ نے وادی کشمیر اور جموں کے درمیان کی بہت سی بڑی بڑی ریاستوں پر کامل تسلط جما لیا۔ سوائے پونچھ کے جو دھیان سنگھ کی جاگیر تھی۔ جسروٹہ کے جو ہیرا سنگھ کو عطا ہوا۔ اور رام نگر کے جو سوچیت سنگھ کی ملکیت تھی گلاب سنگھ نے بہ نفس نفیس ریاسی۔ کشتواڑ۔ راجوری اور سمارتھ کو فتح کیا۔ جو بشمول جموں ایک ماتحت حکمران کے لئے نہایت وسیع سلطنت کے رقبہ پر مشتمل تھیں۔

اپنی ریاست کے انتظام پر گلاب سنگھ نے بہت سی توجہ دی۔ دربار لاہور کے دوسرے امرا جو جاگیر دار تھے۔ اپنے وقت کا بیشتر حصہ رنجیت سنگھ کی حاضری میں گزارتے اور جاگیروں کی آمدنی کی خاطر اپنے کارندوں پہ دارومدار رکھتے۔ یہ ایک ایسا سسٹم تھا۔ جس سے بہت سی بد اعتدالیاں رونما ہوئیں۔ کارندے لوگ چونکہ اپنے مالکوں کے قبضہ میں نہ تھے۔ اس لئے ان کی خواہش یہ ہوتی کہ وہ مزارعین سے جس قدر روپیہ مل سکے۔ فوراً وکر ملا فراہم کر لیں۔ انہیں کاشتکاروں کی بہبودی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ امرا کو دلچسپی تھی۔ تو محض اس بات میں کہ انہیں باقاعدہ زر خراج ملتا رہے۔ اور کارندوں کو دلچسپی تھی تو محض اس امر میں کہ وہ اپنے مالکوں کو خوش کر دیا کریں اور اپنے جیب بھر لیا کریں۔

مگر گلاب سنگھ نے جموں کے عطیہ کے وقت سے دگرگوں مسلک اختیار کیا۔ وہ زیادہ تر جموں ہی رہا کرتا۔ اور دربار لاہور میں صرف طلبی پر حاضر ہوتا۔ وہ اپنی اراضی کے انتظام میں ذاتی دلچسپی بہت لیتا۔ اور اسے اپنے علاقہ کے نظم و نسق میں جو بوجہ اپنی پہاڑی نوعیت اور بوجہ اپنے باشندوں کی خود مختارانہ روش کے ذاتی توجہ کا مستحق تھا۔ بہت شغف تھا۔

اس شغلہ میں گلاب سنگھ کو ممتاز اشخاص کے ایک خاندان کی امداد حاصل تھی۔ جس کی وفاداری اور قابلیت کا صلہ وہ نہایت فیاضی سے دیتا۔ یہ وہ خاندان تھا جس کا دیوان جوالاسہائے جو بعد میں ریاست کا وزیر اعظم بنا۔ اور تمام پوشیدہ امور کی گفت و شنید میں گلاب سنگھ کا سفیر مقرر ہوا۔ ایک ممتاز رکن تھا۔ جوالاسہائے کا والد دیوان امیر چند، علاقہ "نوال میں" گلاب سنگھ کا انتظامی کارندہ تھا۔ اور ۱۸۲۳ء میں جب جموں کا علاقہ گلاب سنگھ کو موروثی ریاست کے طور پر عطا ہوا۔ تو امیر چند کو جموں کا مدار المہام یا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ ۱۸۲۶ء میں جب دیوان امیر چند فوت ہو گیا۔ تو اس کا سب سے بڑا بیٹا دیوان جوالاسہائے گلاب سنگھ کا مشیر اعظم اور دیوان مقرر ہوا۔ جوالاسہائے کے دو بھائی تھے۔ دیوان ہری چند اور دیوان نہال چند جن کو گلاب سنگھ نے اہم دیوانی اور فوجی مناصب پر مامور کیا۔

اس توجہ نے جو گلاب سنگھ نے اپنی اراضیات کے انتظام میں مبذول کی اور ان خوشگوار نتائج نے جو اس سے مرتب ہوئے خود

رنجیت سنگھ کی توجہ کو جاذب کر لیا۔ چنانچہ حکمران پنجاب نے جس نے اس وقت کے نظم و نسق کی قدر و قیمت کا فوراً اندازہ کر لیا مختلف اوقات میں مقامات ذیل کا انتظام گلاب سنگھ کے سپرد کر دیا۔ جو سرکار لاہور کی جانب سے زمینداری کی غرض سے اس کے ذمہ لگائی گئیں۔

بھیرہ۔ میانی۔ خدکا اور پنڈدادنخان کی نمک کی کانیں

اراضیات	تخمینی آمدنی
چکیدہ حضور اور پھلی دھمتور	۵۰,۰۰۰
جنی، کھاسس اور چکوال	۱۰۰,۰۰۰
سیالکوٹ	۵۰,۰۰۰
نمک کی کانیں	تقریباً آٹھ لاکھ

گلاب سنگھ کو ذیل کی جاگیریں بھی دی گئیں۔

بھدرواہ کا کچھ حصہ۔ پاڈر۔ جموں۔ چنائی۔ ریاسی کشتواڑ اکھنور اور راجوری۔

ذیل کی جاگیریں خاندان کے دیگر ارکان کے ذمہ تھیں۔

	تخمینی آمدنی
سوچیت سنگھ	
لبوہی	۷۵۰۰۰
جسروٹہ	۱۲۵۰۰۰
نکوٹ، کھنڈہ اور بدھ الٹا	

دھیان سنگھ :۔ مانبہ۔ بھمبر۔ پونچھ۔ کوٹلی اور امرت سر

اور لاہور کے نگرانئے شہر کے فرائض۔
اپنی جاگیر میں مقیم رہنے اور اس کی انتظامی نگرانی کرنے کا
گلاب سنگھ محض اس وجہ سے قابل ہوا۔ کہ اسے معلوم تھا۔ کہ اس کے
اپنے اور اس کے خاندان کے مفاد لاہور میں محفوظ ہیں۔ حق یہ ہے
کہ اگر حکومت شخصی ہو۔ اور اس کا انحصار حکمران کے تلون پر ہو۔ تو
ایک درباری کا فراموش ہوجانا، خواہ وہ کتنا ہی قابل اور مفید کیوں
نہ ہو۔ ممکن ہے تاوقتیکہ وہ دربار میں موجود نہ ہو۔ اور بادشاہ کی
نظرِ عنایت کے حصول میں کوشاں نہ ہو۔ خوش قسمتی سے گلاب سنگھ
کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں تھی۔ دربار لاہور میں اولاً بحیثیت
نقیب اعظم کے اور پھر بحیثیت وزیر اعظم کے دھیان سنگھ کی موجودگی
اور دھیان سنگھ کے بیٹے ہیرا سنگھ کا اثر و غلبہ جو اس نے
وہاں پر حاصل کر رکھا تھا۔ گلاب سنگھ کے لئے کافی کفالت
کا موجب تھے۔ دراصل ہر سہ بھائی اس فرانسیسی مارشل کے قول
کا دلی عقیدت سے اتباع کرتے تھے۔ جو یہ کہتا ہے۔ کہ "جو کوئی
میرے بھائی کو نقصان پہنچاتا ہے گویا وہ مجھے نقصان پہنچاتا
ہے"۔ دھیان سنگھ کے سیاسی اثر و غلبہ نے گلاب سنگھ کو اس
امر کی آزادی دے دی۔ کہ وہ اپنے علاقہ کے کوائف کی نگرانی کر
سکے۔ زر تحفظ فراہم کر سکے۔ اور اسے بحال رکھ سکے۔ اور اپنی فوج
کو تجربہ دلائے۔ اور اسے تیار کر سکے۔ گلاب سنگھ کو اس بات کا
موقع مل گیا۔ کہ وہ اپنے تسلط کو مستقل تیقن کر سکے۔ اور ایک
ایسی فوجی مشین کی تکمیل کر سکے۔ جس کی بدولت وہ حسب موقع بر بلد

ممالک فتح کر سکے۔ گلاب سنگھ نے خداداد ذہانت سے اس حقیقت کو بھانپ لیا۔ کہ ان تمام بیش بندیوں کی اس وقت فوراً ضرورت پڑ جائے گی۔ جب رنجیت سنگھ کا قوی ہاتھ پنجاب سے اٹھ گیا ۱۸۳۹ء کے زمانہ تک گلاب سنگھ، رنجیت سنگھ کا اہم ترین نائب اور دربار لاہور میں سب سے زیادہ طاقتور آدمی بن گیا۔ علاوہ اس کی اپنی ریاست کے اس تصرف میں زر بندوبستی کی غرض سے پنجاب کی بعض زرخیز ترین اراضیات تھیں۔ اس کی فوج جو نامور کمان آفیسروں کے ماتحت کام کرتی تھی۔ قبل ازیں لداخ پر حملہ آور ہو چکی تھی۔ رنجیت سنگھ جیسے گلاب سنگھ کی وفاداری پر کبھی شبہ نہ ہوا۔ اپنے ماتحت کی حد سے متجاوز طاقت کا قطعاً حاسد نہیں تھا۔ اور وہ گلاب سنگھ اور اس کے خاندان کو مسلسل موردِ عنایات بناتا رہا۔

تیسرا باب

گلاب سنگھ اور سکھ طوائف الملوکی

۲۷ جون ۱۸۳۹ء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ ۵۹ برس کی عمر میں اس جہان سے رحلت کر گیا۔ وفات کے چند ماہ پیشتر اس کا تسلط مرض حد تک متزلزل ہو چکا تھا۔ سلطنت کا نظم و نسق اس کے دیوان دھیان سنگھ کے ہاتھوں میں تھا۔ گو راجہ دینا ناتھ صیغہ مالیات پر مامور تھا۔ اور فقیر عزیز الدین وزیر خارجہ تھا۔ لیکن حکومت کا رعب و داب راجہ دھیان سنگھ کے ہاتھ ہی میں تھا۔ رنجیت سنگھ کا جانشین اس کا بیٹا کھڑک سنگھ بنا جو کم فہم اور عیاشں تھا۔ اور اپنے منظور نظر چیت سنگھ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ اس صورت حالات نے دربار کے بڑے بڑے حکام کو متنفر کر دیا۔ جو اپنے طاقت و اختیار کو ایک درباری پٹھو کے ماتحت کرانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ اپنے جھگڑوں کو فراموش کرتے ہوئے بڑے بڑے راجاؤں اور سرداروں نے باہمی اتفاق کر لیا۔ اور ۸ اکتوبر ۱۸۳۹ء کو ان میں سے سب سے بڑے سردار نونہال سنگھ ولی عہد کی سرکردگی

میں محل میں جا گھسے۔ اس وقت کھڑک سنگھ پگڑی باندھ رہا تھا گلاب سنگھ نے دربان کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اور کھڑک سنگھ نے دروازہ کو اندر سے مقفل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن گلاب سنگھ نے اسے زبردستی کھول دیا۔ مہاراجہ نے اپنے بیٹے کو ہاتھ سے دے دینے سے انکار کر دیا۔ اور اسے بغل میں لئے رہا۔ مگر گلاب سنگھ نے اسے بزور چھین لیا۔ چیت سنگھ ایک کال کوٹھڑی میں بھاگ نکلا۔ جہاں دھیان سنگھ نے اس کا تعاقب کیا۔ اور اسے جان سے مار دیا۔

اس واقعہ کے بعد گلاب سنگھ نے دربار لاہور کو خیرباد کہہ دیا اور یاتراکی خاطر گیا۔ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور پھر وہاں سے براہ ریاست جموں لوٹ آیا۔ چیت سنگھ کے قتل کے باوجود گلاب سنگھ کے خاندان کا مستقبل کوئی بہتر نہ ہوا۔ نونہال سنگھ یعنی کھڑک سنگھ کا نوعمر بیٹا، ایک قابل اور حریص شہزادہ تھا۔ اور گلاب سنگھ اور اس کے بھائیوں کی تباہ کاری اس کا کھلا مقصد تھا۔ چنانچہ شہزادہ نونہال سنگھ نے جموں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور گلاب سنگھ کی حد سے زیادہ شخصیت کو مسخر کرنے کی ٹھانی۔ جو اس وقت تک علاوہ بہت سے اضلاع کے جو اسے سرکار لاہور نے ٹھیکہ پر دے رکھے تھے۔ جموں۔ ریاسی۔ کشتواڑ۔ راجوری۔ اور دوسری پہاڑی ریاستوں پر قابض ہو چکا تھا۔ گلاب سنگھ کی تسخیر کوئی آسان کام نہیں تھا۔ نونہال سنگھ کو اس وقت کا خوب احساس تھا۔ اور اس نے مناسب سمجھا کہ پہلے ایک طاقتور فوج کو مرکوز کرنے کے

لئے بتدریج اقدام کرنا شروع کر دیا۔ منڈی کے خلاف حملہ کی تیاری کے عذر سے جرنیل ونتورا کے ماتحت جموں کے مشرق میں ایک بھاری فوج جمع کر دی گئی۔ مگر نونہال سنگھ کو افغانی ہلچل کی وجہ سے اس حملہ کو چند ماہ کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ جب افغانی ہلچل کا خاتمہ ہو گیا۔ اور قبل اس کے کہ نونہال سنگھ حملہ کو اختیار کر سکے۔ ۵ نومبر ۱۸۴۰ء کو کھڑک سنگھ کی وفات واقع ہو گئی۔ عین اسی دن نونہال سنگھ کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اور وہ اس طرح کہ جب وہ اپنے باپ کی چتا سے واپس آ رہا تھا۔ تو اس پر راہ جاتے یک لخت ڈاٹ گر گئی۔ اور وہ جان بحق ہو گیا۔ گلاب سنگھ کا سب سے بڑا بیٹا ادھم (رندھیر) سنگھ شہزادہ کی سواری میں جا رہا تھا۔ اور اس واقعہ نے اس کی زندگی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ ڈاکٹر ہانی برگر کے بیان کے مطابق جو لاہور میں موجود تھا۔ اور جس کے زیر علاج شہزادہ نونہال سنگھ رہا۔ خود دھیان سنگھ کو بھی چوٹیں آئیں۔ ان حقائق سے مسٹر کننگھم کے اس بے بنیاد اظہار کی قلعی کھل جاتی ہے۔ کہ ڈاٹ کا گر پڑنا اتفاقی امر نہیں تھا۔ بلکہ راجگان جموں کی سازش کا نتیجہ تھا۔

نونہال سنگھ کی وفات نے تخت لاہور کو خالی چھوڑ دیا۔ دھیان سنگھ رنجیت سنگھ کے ایک نامور بیٹے شیر سنگھ کے حق میں تھا۔ لیکن گلاب سنگھ۔ خوشحال سنگھ اور بھائی رام سنگھ نے اپنا فیصلہ کھڑک سنگھ کی بیوہ چاند کور کے حق میں دیا جس نے "سرپرست" کے خطاب کے ساتھ عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ رفع الوقتی کے لئے مصالحت کا انتظام کر دیا گیا۔ اور شیر سنگھ نے "نائب سرپرست" کی حیثیت قبول کر لی دھیان سنگھ

اس انتظام سے یکسوئی اختیار کئے رہا - اور جموں واپس چلا گیا۔ وہاں سے اس نے شیر سنگھ کے ساتھ گفت و شنید کو جاری رکھا۔ جب خود دارالخلافہ سے دست کش ہو گیا۔ فوج کے بعض دستوں کو قابو میں لاکر شیر سنگھ نے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ اور لاہور پر دھاوا بول دیا جہاں پہ دھیان سنگھ نے اسے امداد کا وعدہ دے رکھا تھا لیکن وزیر اعظم جموں گیا ہوا تھا۔ اور گلاب سنگھ نے جو قلعہ میں موجود تھا۔ قلعہ حوالے کر دینے سے انکار کر دیا۔ درحقیقت ..... شیر سنگھ نے اپنے اقدام کا اندازہ گلاب سنگھ کے خیال کے بغیر لگا رکھا تھا۔ گلاب سنگھ کی مائی چاند کور سے وفاداری نے اس کے تمام پروگرام کو تہ و بالا کر دیا۔ شیر سنگھ کو جو ایک کثیر فوج کے ساتھ دارالخلافہ پر حملہ آور ہوا۔ لاہور کے بالمقابل روک لیا گیا۔ گلاب سنگھ نے مائی صاحبہ کو مزاحمت کا مشورہ دیا۔ اور خود قلعہ میں موجود فوج کی کمان اختیار کر لی۔ قلعہ میں گلاب سنگھ کے ساتھ راجہ ہیرا سنگھ۔ عطر سنگھ سندھانوالیہ اور منسول سنگھ سندھانوالیہ موجود تھے۔ شہر کی حالت کا نقشہ دفاع کا منظر پیش کر رہا تھا۔ اور اس کے تمام دروازوں پر توپیں نصب کر دی گئیں۔ چنانچہ تحفظ کے اس کام میں گلاب سنگھ نے ان تھک کوشش کی۔ اور محصور فوج کو چار ماہ کی تنخواہ انعام کے طور پر عطا کر دی۔ وہ ہر چوکی کا بذات خود ملاحظہ کرتا۔ فوج کا معائنہ کرتا۔ اور وعدۂ انعام کے ذریعہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ شیر سنگھ کی طرف کی فوج نے خلاف قلعہ کے اس غیر متوقع تحفظ نے شہزادہ مذکور کے لئے ایک مشکل صورت پیدا کر دی۔ شیر سنگھ اب مجبور ہو گیا۔ کہ وہ لاہور کا محاصرہ کرے اور

سلطنت کے مرتبہ عنصر کے خلاف اعلان جنگ کردے۔ بحالیکہ گلاب سنگھ سکھ گورنمنٹ کی تائید میں ڈٹا ہوا تھا۔ تاہم شیر سنگھ کو راجہ سوچیت سنگھ اور جرنیل ونتورا کی طرف سے غیر متوقع امداد مل گئی۔ جن میں سے ہر دو نے شیر سنگھ کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس کی کمان میں ۰۰۰۰،۷ جنگجو تھے۔ دربان کو رشوت دلا کر شیر سنگھ شہر پہنچنے کے قابل بن گیا لیکن گلاب سنگھ نے اس بھاری فوج کے مقابلہ میں جوانمردی اور بہادری کے ساتھ قلعہ کی حفاظت کی۔ حملہ حضوری باغ کے دروازہ سے شروع ہوا پے در پے یورشوں کی مدافعت کی گئی۔ اور گلاب سنگھ قلعہ کے اندر پانچ دن تک کام چلاتا رہا۔ پانچویں دن کے خاتمہ پر یہ خبر پہنچی کہ دھیان سنگھ لاہور کے قریب آ رہا ہے۔ چنانچہ عوام الناس نے اس کا شاہانہ خیر مقدم کیا۔ اور شیر سنگھ بذاتِ خود اس کے استقبال کے لئے دروازہ شہر تک گیا۔

اس وقت چاند کور خطرہ عظیم کی حالت میں تھی۔ اور وہ اس امر کی خواہاں تھی کہ اس کی مناسب معاش کی شرط پر صلح بحال کر دی جائے۔ چنانچہ اس نے ذیل کا خط گلاب سنگھ کے نام لکھا:۔

"دانا اور روشن خیال راجہ گلاب سنگھ ریاست کے وزیر اعظم کے نام"۔

"آپ کے نام یہ شاہی ارشاد جاری کیا جاتا ہے ہیں آپ کی راجہ ہیرا سنگھ کی سردار منگل سنگھ کی، سردار سلطان محمد خان اور دوسرے وفادار امرا کی جنہوں نے اس ہلہ میں آپ کی مدد کی۔ اس وفاکوشی

خیر خواہی اور اطاعت کے لئے تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ جس کا ثبوت آپ نے غاصبِ سلطنت کا مقابلہ کرنے میں، ایسی بہادری سے دیا ہے۔ اس ضمن میں میں ایک دفعہ پھر آپ کی شکر گذار ہوں۔ آپ نے خود کو سرکار کا نہائیت وفادار ثابت کیا۔ اور سرکار آپ کی بہت زیادہ ممنون ہے۔ اب آپ کو اجازت ہے۔ کہ آپ جنگ کا خاتمہ جس طریق سے چاہیں کر دیں۔ سرکار اس معاملہ کو آپ کی مرضی پر چھوڑتی ہے۔ سرکار صرف اس قدر چاہتی ہے کہ آپ معاملہ کا تصفیہ جتنی جلدی ممکن ہو کر دیں۔ اس تصفیہ کا فیصلہ بہت جلد کر دیجئے اور خود کو سرکار کی عنایات کا مستحق بنلیجئے"۔

اس پر گلاب سنگھ نے گفت و شنید کا افتتاح کر دیا۔ اور اس نے ذیل کے تین شرائط وضع کئے۔

(۱) مائی صاحبہ کا عزت و احترام کیا جائے۔ اور اسے مناسب پوزیشن دی جائے۔

(۲) اس کی پارٹی کے تمام سرداروں کو معاف کر دیا جائے۔

(۳) گلاب سنگھ اور دوسرے سرکردہ امرا کو منظورِ نظر بنایا جائے۔

شیر سنگھ نے ان تمام شرائط کو قبول کر لیا۔ اور گلاب سنگھ کے نام ذیل کا پروانہ بھیجا۔ جس پر اس کے اپنے اور اس کی پارٹی کے تمام سرکردہ امرا کے دستخط ثبت تھے:۔

"دانا اور روشن خیال راجہ گلاب سنگھ سلطنت کے وزیر اعظم کے نام"

آپ کے نام شاہی ارشاد جاری کیا جاتا ہے،
مہربانی کر کے قلعہ میں توپیں چلانا بند کر دیجئے۔ بھائی اودم سنگھ اور بابو بلیام سنگھ کو سرکار نے اس امر پر مامور کیا ہے کہ وہ آپ کو ہمارے حضور میں لائیں۔ اور اگر حاضر ہو جائیں۔ تو آپ کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کیا جائے گا۔ اور آپ پر خطابات کی بارش کی جائیگی۔ آپ اس بات سے مطمئن رہیئے۔ اگر آپ بذات خود آنا نہ چاہیں تو سری گرنتھ صاحب کے نام پر آپ مائی صاحبہ سے کہئیے کہ وہ قلعہ سے باہر آجائیں۔ مائی صاحبہ کی حفاظت کا ہم ذمہ لیتے ہیں اور انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہیں۔ جو کوئی قلعہ میں مرنے کو ترجیح دے آپ اسے وہیں رہنے دیجئے۔ لیکن خود آجایئے۔ اگر آپ آجائیں گے تو آپ کے سہ گانہ شرائط پورے کر دیئے جائیں گے ہر قسم کی تشویش کو بالائے طاق رکھ دیجئے۔ اور ہماری عنایت اور امداد کا یقین رکھیئے۔"

صلح کے انتظام پر شیر سنگھ نے ایک پیغام بھیجا جس میں اس نے گلاب سنگھ اور اس کے بھائیوں کی خدمات کی تعریف کی۔ اور دانی امرا کے مشورہ پر کاربند ہونے کا وعدہ کیا۔ گلاب سنگھ کی شرائط کو منظور کر لیا گیا۔ قلعہ حوالہ کر دیا گیا۔ اور خود گلاب سنگھ ۱۹ جنوری

سنہ ۱۸۴۱ء کو آدھی رات کے وقت قلعہ سے باہر نکل آیا۔

گو گلاب سنگھ کو جب بار سلسلہ حکومت کے ماتحت منصب وزارت پیش کیا گیا۔ لیکن چونکہ وہ لاہور کی سازشوں میں شریک ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اپنے علاقہ میں لوٹ جانے کو ترجیح دی۔ کہا جاتا ہے۔ کہ قلعہ چھوڑنے کے موقعہ پر گلاب سنگھ وہ تمام خزانے ہمراہ لے گیا۔ جو رنجیت سنگھ نے جمع کر رکھے تھے۔ اور قلعہ میں موجود تھے۔ سولہ گاڑیاں روپے اور چاندی کے دوسرے سکوں سے بھری گئیں۔ بجائیکہ ۵۰۰ سواروں میں سے ہر ایک کے سپرد سونے کی مہروں کی ایک ایک تھیلی کی گئی۔ اس عظیم الشان خزانہ کے ساتھ گلاب سنگھ جموں کو واپس ہوا۔ جہاں حملہ لداخ کی امداد میں اس کی موجودگی از بس ضرورت تھی۔ جو ان دنوں اپنے پورے زور پر تھا۔

سنہ ۱۸۴۱ء میں افغانستان میں انگریزی سپاہ کو مصیبت کا سامنا ہوا۔ جلال آباد میں فوج محصور ہو رہی تھی۔ اور اس کی خلاصی خاطر پشاور میں ایک انگریزی دستہ تیار کیا گیا۔ اس مہم میں سکھوں کا تعاون ضروری تھا۔ اس تعاون کے حصول کے لئے میجر (بعدہ سر ہنری) لارنس کو پشاور بھیجا گیا۔ میجر لارنس کا کام یہ تھا کہ وہ سکھوں کو خوش رکھے۔ اور ان سے جس قدر امداد ممکن ہو حاصل کرے۔ چنانچہ اس انگریزی مہم سے تعاون کرنے کے لئے جسے سرحد پر منظم کیا جا رہا تھا۔ حکومت لاہور نے بادل ناخواستہ گلاب سنگھ کو مامور کیا۔ جو ان دنوں مقام ہزارہ میں تھا۔ گلاب سنگھ کی

پوزیشن کسی طرح بھی آسان نہیں تھی۔ اسے یہ معلوم تھا۔ کہ حکام لاہور کسی طریق سے کابل کی مہم میں انگریزوں کی امداد کرنے کے خواہاں نہیں ہیں۔ ساتھ ہی بوجہ سیاسیات میں دھرم بین ہونے کے اسے معلوم تھا۔ کہ انگریزوں کی دوستی حاصل کرنے کا یہی ایک موقع ہے۔ لہذا وہ بذاتِ خود نہیں ہر قسم کی امداد دینے

کا خواہاں تھا بشرطیکہ یہ حقیقت بوضاحت ذہن نشین ہو جائے کہ اس معاملہ میں انگریز خود گلاب سنگھ کے مرہون منت ہوں گے نہ کہ دربار لاہور کے، ادھر انگریزوں کی حالت نہایت پُرخطر تھی۔ انہیں افغانستان سے نکال دیا گیا تھا۔ ان کی اپنی حد بہت آگے تھی اور اور ان کی خبر رسانی کی لائن پر سکھوں کی ریاست واقع تھی۔ جن کی اگر امداد نہیں تو کم از کم غیر جانبداری کامیابی کے لئے نہایت ضروری تھی۔ حکومت لاہور کسی قسم کی امداد دینے پر رضامند نہیں تھی۔ اور اس حقیقت کا انگریزی حکام کو علم ہو چکا تھا۔ گلاب سنگھ نے اپنی پوزیشن کی کامل اہمیت کا اندازہ کر لیا۔ یعنی یہ کہ اگر انگریزوں کو اس کے اثر اور تسلط کی وجہ سے موثر امداد دی گئی۔ تو ان کی دوستی متیقین ہو جائے گی۔

گلاب سنگھ کے موقع پر پہنچنے سے پیشتر سکھوں سے تعاون کی تمام امید ملیامیٹ ہو چکی تھی۔ ۱۹ جنوری ۱۸۴۲ء کو انگریزی فوج کو درہ خیبر پر پسپا کیا گیا۔ اور جونہی کہ انگریز درہ خیبر میں داخل ہوئے۔ سکھ چپکے سے پشاور کو ہو لئے۔ لقیہ فوجی دستوں نے جو مسلمانوں پر مشتمل تھے افغانستان کے خلاف انگریزوں کی مدد کی۔ سکھوں کی تجویز پر بغاوت کر رکھی تھی۔ اور انہوں نے پسماندہ فوج پر پیچھے سے حملہ کرنے کی دھمکی دی

عین اس موقع پر جنرل پولک کو فوج کی کمان کے لئے منتخب کیا گیا۔ اور وہ علاقہ پنجاب سے ہوتا ہوا پشاور کے کیمپ کی جانب بڑھا گلاب سنگھ بھی جسے خوب معلوم تھا۔ کہ کب عجلت سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ پشاور پہنچ گیا۔ اور اپنے خیمے دریا کے بائیں کنارے نصب کر دیئے۔ گلاب سنگھ کے احکام یہ تھے۔

"پشاور کو بڑھو، تمام باغیوں کو مغلوب کرو۔ اور انگریزوں سے تعاون کرو۔"

راجہ نے اپنا کیمپ دریا کے بائیں جانب لگایا۔ اور اولین نامہ و پیام جو اس نے میجر لارنس کے نام بھیجا۔ اس امر کا خفیف اشارہ تھا کہ پشاور سے اٹک والی سڑک پر براہ راست اقدام نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں نصیبی دستے اس پر حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ یہ مشورہ قبول کر لیا گیا۔ مگر بایں ہمہ گلاب سنگھ نے نصیبیوں کو خارج از راہ کرنے کا انتظام کر لیا۔ اور ۲ فروری ۱۸۴۲ء کو وہ انگریزی دستوں کے آگے آگے پشاور کی جانب بڑھا۔ راجہ نے سندھ سے پشاور تک کامل دس دن لئے۔ جو فاصلہ کہ وہ پیشتر کئی مواقع پر تین دن میں طے کر لیا کرتا تھا۔

انگریزی حکومت کا اصل مدعا یہ تھا۔ کہ وہ سکھ حکومت کو ان کے ہمراہ جلال آباد تک ایک دستہ بھیجنے پر مائل کر سکے۔ گلاب سنگھ کے پہنچنے سے پیشتر سرحدی فوج کی کمان جنرل مہتاب سنگھ کے سپرد تھی۔ جس کا رجحان انگریزوں کے متعلق صاف طور پر معاندانہ تھا۔ جب گلاب سنگھ موقع پر پہنچا۔ تو اس نے میجر لارنس کو بتلایا۔ کہ سکھوں کا جلال آباد

لے جانا مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ بے صبری کے عالم میں انگریزی کمان افسر
نے راجہ سے اس امر کی ضرورت کا اصرار کیا کہ وہ مثال قائم کرے۔ اور
بغاوت پذیر دستوں کو منتشر کرے۔ گلاب سنگھ نے جواب دیا کہ سکھ
قبل ازیں اس کی ذات سے بغض و عناد رکھتے ہیں۔ اور جارحانہ کارروائیوں
میں وہ اس کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ اس بات میں کچھ نہ کچھ صداقت
ضرور تھی۔ اس نے طبعی طور انگریز جرنیل سے درخواست کی۔ کہ وہ اسے
اپنے حسب منشا پیش قدمی کرنے کی اجازت دے۔ چنانچہ میجر لارنس نے
اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اور گلاب سنگھ سکھوں کی مخالفت کو نظر انداز
کرتے ہوئے چپکے سے روانہ ہو گیا۔ سکھ سپاہیوں کی سپرٹ اور مزاج
کا علم رکھتے ہوئے گلاب سنگھ نے آسانی کے ساتھ انہیں پشاور میں
موجود انگریزی فوج کی عملی مخالفت سے باز رکھا۔ اگر یہ سکھ اس وقت
انگریزوں کے خلاف ہو جاتے۔ تو تمام کی تمام مہم کا خاتمہ نہایت اندوہناک
ہوتا۔ گلاب سنگھ نے سکھ سپاہیوں پر یہ امر واضح کر دیا۔ کہ انگریزوں
کو درۂ خیبر کی طرف پہنچانا اور انہیں صحیح سلامت اس کے پار کر دینا
زیادہ قرین مصلحت ہے۔ اور یہ کہ اگر افغان انگریزوں کو شکست دیں
تو ان کا پشاور کا سامان سکھوں کی ملکیت ٹھہرے گا۔ اور اگر انگریز
افغانوں پر غالب آئے۔ تو سکھ اس بات کا ادعا کر سکیں گے۔ کہ فتح
و نصرت خود ان کی بدولت ہوئی۔

خالصہ فوج کے سرداروں نے اس عقل و فکر کی تعریف کی ——— اور
گلاب سنگھ اب اس بات کے لئے آزاد ہو گیا۔ کہ وہ انگریزوں کی امداد رسد
اور راشن سے کرے اور ۱۸۴۲ء میں وہ انگریزی سپاہ کے ساتھ خود

اپنے وسنے بھی روانہ کر سکے عین اس وقت اسے خبر ملی کہ وسط تبت میں طوفان برف نے زور آور سنگھ کا کام تمام کر دیا۔ گلاب سنگھ کو طبعی طور سے اس نقصان کا بہت صدمہ ہوا۔ اور ۱۷ ر فروری ۱۸۴۲ء کو اس نے میجر لارنس کے کیمپ میں دیوان جوالا سہائے کو اس درخواست کے ساتھ بھیجا۔ کہ اس تباہی کی خبر کو عام نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس افشاء سے خود اس کی اپنی سپاہ میں غدر کے رونما ہو جانے کا خطرہ ہے۔ ۲۰ فروری کے دن گلاب سنگھ نے جنرل پولک سے افرانہ (؟) ڈیفنینٹ سے ملاقات کی۔ انگریز جرنیل دربار لاہور کے تاخیر انگیز سیاسیات سے تنگ آ رہے تھے۔ اور وہ اس امر کا تہیہ کر چکے تھے۔ کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کوئی نہ کوئی سمجھوتہ کر لیا جائے۔ انہوں نے گلاب سنگھ کا استقبال کامل فوجی اعزاز کے ساتھ کیا۔ اور جب سب لوگ بیٹھ چکے تو کپتان میکسن نے جو ایک بارعب اور خوش وضع آفیسر تھا اور جس کی شخصیت میں سپاہی اور سیاست دان کے بلند ترین اوصاف مجتمع تھے۔ ادب و احترام کے ساتھ اہمیت معاملہ کے ابتدائی کوائف پر عبور کرتے ہوئے اصل مدعا کو پیش کیا یعنی یہ کہ سکھ فوج کس غرض کے لئے پشاور بھیجی گئی ہے۔ اور دربار لاہور سے کیا احکام صادر ہوئے ہیں۔

اس پر گلاب سنگھ حیران سا ہو گیا۔ لیکن وہ اتنا تجربہ کار ماہر سیاست تھا۔ کہ اس نے اس حیرت کا اظہار نہ ہونے دیا۔ چنانچہ اس کے جواب کو میجر لارنس کے مورخین نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے "جن لوگوں کو پہاڑی علاقہ کے اس راجہ یعنی (گلاب سنگھ

سے گفت و شنید کرنے کا موقع ملا ہے۔ اس شیریں احترام توجہ اس بے لوث رافت اس طفلانہ سادگی۔ جدت اظہار ترکیب بیان اور روایت آرائی کی اس ماہرانہ طوالت کا تخیل قائم کر سکتے ہیں جس سے راجہ گلاب سنگھ نے اپنی ریش پر ہاتھ پھیرا۔ بحالیکہ وہ کپتان میکسن کے سوال کو سن رہا تھا۔ اور ساعات انتظار کو دفع جواب میں پسندیدہ رنگ میں گزار رہا تھا۔ چنانچہ اس نے ماضی کے متعلق اپنی اور اپنے بھائیوں کی اپنے نامدار آقا رنجیت سنگھ سے وفاداری کے بارے میں اور ان لوگوں کی شرارت آمیزی کے بارہ میں جو ان کی طرف خود مختار حکومت کے قیام کی سازباز کو منسوب کرتے تھے۔ بہت کچھ کہا۔ مگر مستقبل کے متعلق اور اس کے متعلق کہ افغانستان میں موجودہ انگریزی افواج کے بچاؤ کی خاطر کیا کرنا چاہیے۔ راجہ گلاب سنگھ نے تشریح و اظہار کی تمام تر روانی کے ضمن میں سوائے اس کے کچھ نہ کہا۔ کہ اس نے انگریزوں کو یاد دلائی۔ کہ دوست محمد محض ایک قیدی ہے۔ لیکن اس مزید استفسار کے جواب میں کہ دربار لاہور کے احکام کیا ہیں۔ راجہ نے ایک پروانہ پیش کیا۔ جس میں اسے جنرل پولک سے اس استصواب کرنے کی ہدایت تھی۔ کہ انگریزی حکومت کے پیش نظر کون سے امور ہیں۔ انگریز کیا کرنا چاہتے تھے۔ اور اس کی تکمیل کس ذریعہ سے کرنا چاہتے تھے۔ اور اس بات کی ہدایت تھی۔ کہ وہ اس عہدنامہ کی شرائط کے مطابق انگریزی افواج کی امداد میں کام کرے۔"

تو یہ تھے۔ دربار لاہور کے آخری الفاظ

اس پر انگریزی حکام نے خیال کرنا شروع کیا۔ کہ بغیر کسی معاوضہ کے کامیابی کا حصول مشکل ہے تا وقتیکہ گلاب سنگھ کو کافی عوضانہ نہ مل جائے۔ کسی امداد کی پیشکش متصور نہیں ہو سکتی۔ میجر لارنس قبل ازیں تجویز کر چکا تھا۔ کہ گلاب سنگھ کو کچھ معاوضہ پیش کیا جائے۔ اور اب اس نے واضح الفاظ میں بیان کیا کہ

سپاہ کو اضافی بھتّہ دیا جائے۔ بلکہ جس قدر راجگان اپنے علاقہ میں حاصل کرتے ہیں۔اس پر بھی اضافہ کیا جائے۔ میجر لارنس نے اس پر یہ بات مستزاد کی کہ اگر گلاب سنگھ بوجوہ اکمل انگریزوں کی امداد کرے۔ تو وہ اس کی اعانت وادیٔ جلال آباد کے قبضہ کے حصول میں کریں۔ اور وادیٔ مذکور اور پشاور کو اس کے خاندان کے لئے متیقن کرنے کی خاطر کچھ نہ کچھ انتظام کرنے کی سعی کریں۔ مگر گلاب سنگھ کو ان ترغیبوں کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ حسب استطاعت امداد کرنے کے لئے اس کے اپنے وجوہات تھے۔ اس پر اس امر کا اضافہ بھی کر لیجئے۔ کہ اسے سکھ رجمنٹوں کی غیر جانبداری بھی حاصل ہوگئی۔ جو اس وقت تک انگریزوں سے عملی طور پر برسر عداوت تھیں۔ لہٰذا جرنیل پولک ۵/ اپریل ۱۸۴۲ء کو درہ خیبر عبور کرنے کے قابل بن گیا۔

انگریزی حکومت نے گلاب سنگھ کے نام اپنے لاہوری ایجنٹ مسٹر کلارک کی وساطت سے ایک مدحیہ خریطہ مورخہ ۸/ اپریل ۱۸۴۲ء ارسال کیا جس میں انگریزوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ ہم آپ کو محبت اور تعریف کے قلم سے لکھ رہے ہیں۔

ہم نے اپنی فوج کے جرنیلوں سے سنا ہے۔ کہ آپ نے کس مدبر کے ساتھ ہماری افواج کی امداد کی ہے اور یہ امداد از راہ عنایت کیونکہ انہیں دی۔ ہماری باہمی دوستی کے عرصہ طویل سے پوشیدہ بیج کا پھل جو مدت دراز تک مخفی رہی ہے۔ اب منصہ شہود پر آ گیا ہے۔۔۔۔ آپ اس سر زمین کے باغ کا پھول ہیں۔ . . . . اور شجر امید کا نہایت لذیذ پھل ہیں۔ ہمیں ان تکالیف

اور مصائب کا خوب احساس ہے۔ جو ہماری فوج کی امداد کرنے
میں آپ نے برداشت کی ہیں۔ ہم اس صورت حالات کو کبھی
فراموش نہیں کر سکتے"۔

اس طرح ہنری لارنس اور گلاب سنگھ کے مابین دوستی کی بنیاد خوشگوار اور مستحکم رنگ میں قائم ہو گئی۔ جلال آباد کی پیش کش کی تجدید کی گئی۔ مگر لارڈ ایلنبرا گورنر جنرلِ ہندوستان نے شرط پیش کی۔ کہ گلاب سنگھ لداخ چھوڑ دے۔ اور اس کی بجائے افغانستان کا صوبہ لے لے۔ لیکن گلاب سنگھ اس تجویز کے بجا نپ لینے کا خوب اہل تھا۔ لداخ اس کے اپنے علاقہ کی جانب واقع تھا۔ اور اس پر نہ تو انگریز حملہ کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی سکھ گلاب سنگھ اس رقبہ کا آزاد مالک تھا۔ جو بنجر ہونے کے باوجود فاتحانہ حیثیت سے اس کی اپنی ملکیت تھا۔ دوسری جانب جلال آباد اس کے مرکز سے دور افتادہ تھا۔ اور دشمن کی مزاحمت کے قابل نہیں تھا۔ قدرتی طور پر گلاب سنگھ نے اس پیش کش کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس نے انگریزوں کی دوستی ہی سے قناعت کر لی۔

سرکار لاہور پھر طوائف الملوکی کا شکار ہو گئی۔ مائی چاند کور ۱۸۴۱ء میں فوت ہو گئی۔ شیر سنگھ نے غصبِ حکومت کے خطرہ سے آزاد ہو کر دھیان سنگھ کے اثر و غلبہ کے خلاف مزاحمت شروع کر دی اور اجیت سنگھ اور لہنا سنگھ سندھانوالیہ سرداروں کو لاہور بلا یا۔ گو شیر سنگھ کے دل میں سندھانوالہ سرداروں کے لئے کوئی الفت نہیں تھی۔ لیکن اسے امید تھی۔ کہ ان سرداروں کے سکھوں پر کے اثر بدولت دھیان سنگھ کے اثر کی موثر تلافی ہو سکے گی۔ مگر شیر سنگھ کوئی ایسا آدمی نہیں تھا۔

جو کسی ہموار مسلک کا پابند ہو۔ اُس نے جلد ہی اپنے گھرے دوستوں کو بے رُخی پر مجبور کر دیا۔ لہناسنگھ کو قید کر دیا گیا۔ خوشحال سنگھ دربار کا منظورِ نظر نہیں تھا۔ اور راجگان جموں پر شتاب کی نگاہ رہتی تھی شیر سنگھ نے اس خیال کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ کہ گلاب سنگھ اور اس کے بھائیوں کو قابو میں لایا جائے۔ اور سب کو بہ یک ضرب تہ تیغ کر دیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۴۲ء میں گلاب سنگھ کی طلبی کانگڑہ میں ہوئی۔ جہاں اس وقت شیر سنگھ کیمپ لگائے ہوئے تھا۔ گو گلاب سنگھ کو شیر سنگھ کی غرض معلوم تھی۔ مگر وہ نہ ہچکچایا۔ دوسری جانب دھیان سنگھ نے ہیرا سنگھ کو نوجیروٹہ بھیج دیا۔ اور خود تن تنہا گیا سوچیت سنگھ لاہور ہی میں مقیم رہا۔ جب شیر سنگھ نے دیکھا۔ کہ سب بھائی یکجا نہیں ہو سکے۔ تو اس نے کارروائی کرنے سے اجتناب کیا اور گلاب سنگھ کو حسن سلوک کے ساتھ واپس جموں بھیج دیا۔ ۱۸۴۳ء میں رنبیر سنگھ کی شادی راجا بجے سنگھ والیئے سیبا کی لڑکی کے ساتھ نہایت تزک و احتشام سے ہوئی۔ رنبیر سنگھ مذکور گلاب سنگھ کا تیسرا اور سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اور اُس کی ذکور اولاد میں وہی ایک زندہ تھا۔ اس موقعہ پر اس بات کا ذکر خالی از فائدہ نہیں ہوگا۔ کہ گلاب سنگھ نے اوائل عمر ہی میں ۱۸۰۹ء میں رکوال راجپوتوں کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ جس کے بطن سے اس کے تین بیٹے ہوئے۔ یعنی رندھیر سنگھ۔ سوہن سنگھ اور رنبیر سنگھ۔ رندھیر سنگھ جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے۔ نونہال سنگھ کی ہمراہی میں ایک اتفاقی واقعہ کی وجہ سے مارا گیا۔ سوہن سنگھ بچپن ہی میں مر گیا۔

رنبیر سنگھ جو ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوا۔ اس وقت چودہ سال کا تھا بچپن ہی میں راجہ سوچیت سنگھ نے اسے متبنےٰ بنا لیا۔ جس کی اپنی نرینہ اولاد کوئی نہیں تھی۔ رنبیر سنگھ نے اپنے بچپن کا حصہ بیشتر رام نگر میں گزارا۔ جو سوچیت سنگھ کی جاگیر تھی۔

چنانچہ اس شادی کے موقعہ پر سارے کا سارا خاندان جمع ہوا۔ اور افسوس ہے۔ کہ یہ اجتماع ان کا آخری اجتماع تھا۔ راجہ ہیرا سنگھ رنجیت سنگھ کا قابل درباری اور منظور نظر، راجہ سوچیت سنگھ سکھ فوج کا نہائت وجیہہ اور خوش شکل سورما اور ہر ایک کے کئی ایک لواحق سب کے سب اس مبارک موقع پر جمع ہوئے۔ گلاب سنگھ اس امر کا ادعا بجا طور پر کر سکتا تھا۔ کہ اس نے اپنے ہر بھائی کی عظمت کی بنیاد رکھی ہے۔ جن میں سے ہر ایک اس وقت دنیا میں طاقت ور اور نامور بنا ہوا تھا۔ گلاب سنگھ نے جو سب سے بڑا تھا۔ دارالخلافہ کی زندگی کو ٹھکرا رکھا تھا۔ اور وہ خاندان کے بہبود میں ہمہ تن مصروف رہتا تھا۔ اس نے افواج مرتب کیں۔ سلطنتیں مسخر کیں۔ اور اپنے خاندان کی آئندہ عظمت کی بنیاد اس قسم کی رکھی۔ کہ بہت کم لوگ اس کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ گویا یہ موقع صحیح معنوں میں شکر گذاری کے لئے موزوں تھا۔

جونہی کہ شادی ختم ہوئی۔ دربار لاہور سے دھیان سنگھ کی طلبی میں ایک قاصد وارد ہوا۔ دھیان سنگھ اپنے بھائی کے مشورہ کو نظر انداز کرتے ہوئے روانہ ہو گیا۔ پہنچنے پر شیر سنگھ نے نہائت مہربانی سے اس کا استقبال کیا۔ لیکن اس کے قتل کے زیر عمل

لانے کے احکام قبل ازیں صادر ہو چکے تھے۔ دھیان سنگھ کو اس ارادہ کی اطلاع سردار اجیت سنگھ سندھیانوالیہ نے دیدی تھی۔ سندھیانوالیہ سردار اس معاملہ میں دو رنگی چالوں سے کام لے رہے تھے۔ وہ شیر سنگھ کو بنظر متنفر دیکھتے تھے۔ اور انہوں نے بادشاہ اور وزیر ہر دو کو بضرب واحد پار کر دینے کی تجویز کر رکھی تھی۔ اس غرض کے لئے انہوں نے مہاراجہ کو ترغیب دی۔ کہ دھیان سنگھ نے اس کی تباہی کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اور اس کی سلامتی سب سے اول وزیر کے قتل میں مضمر ہے۔ شیر سنگھ نے اس بیان پر اعتماد کر لیا۔ اور سندھانوالیہ سرداروں کو تحریری اجازت دے دی۔ کہ وہ دھیان سنگھ کا خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ دھیان سنگھ کی ہلاکت کی سازش کر کے اجیت سنگھ براہ راست اس کے پاس پونچا اور اس سازش کی اطلاع دی۔ اور اسے بے دھڑک وار کرنے کا مشورہ دیا۔ اجیت جسے شیر سنگھ کا دلی دوست بتایا جاتا ہے۔ خود شیر سنگھ کے قتل کی سازش کر رہا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن سپاہ کے معائنہ کے موقع پر اجیت سنگھ نے اپنے بادشاہ کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ ادھر لہنا سنگھ نے شیر سنگھ کے نوعمر لڑکے پرتاپ سنگھ کو جو پوجا پاٹھ میں مصروف تھا تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اس بزدلانہ قتل کے بعد اجیت سنگھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور ۳۰۰ ہمراہیوں سمیت کود تا پھاندتا لاہور کی طرف ہو لیا۔

دھیان سنگھ جیسے واقعہ قتل سے بے خبری تھی۔ کیونکہ سواری ان دنوں بادامی باغ جا رہی تھی۔ جب اجیت سنگھ

اُسے بلا۔ اور اسے قلعہ میں لے گیا۔ جب وقت دونوں قلعہ کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ تو اجیت سنگھ نے جسے راجہ نے جو حادثہ کی تفصیلات کا اندازہ کر چکا تھا۔ غداری کا ملزم گردانا۔ دھیان سنگھ کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ یہ واقعہ ۱۵ ستمبر ۱۸۴۳ء کا ہے۔

تو دھیان سنگھ کا خاتمہ یوں ہُوا۔ جو پندرہ سال سے مزید عرصہ تک سکھ سلطنت کا وزیر اعظم بنا رہا۔ بحیثیت ایک سیاستدان کے اس نے پنجاب کی خود مختیاری کو بحال رکھنے کے لئے جانفشانی اور کامیابی کے ساتھ خدمت کی۔ اس نے تمام قابل عمل ذرائع سے کام لے کر لاہور کے انگریزی ایجنٹ کی سکھ تسلط سے مداخلتہ کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ ایک ممتاز موقع پر اس نے شیر سنگھ کو وائسرائے سے ایک پبلک ملاقات کے خلاف مشورہ دینے میں کبھی تامل نہ کیا۔ دھیان سنگھ مہذب اور خلیق آدمی تھا۔ اور اس کی شخصیت ایسی تھی۔ کہ وہ شاہجہان اور لوئیس چہاردہم تک کے دربار میں امتیاز حاصل کر سکتی تھی۔

دھیان سنگھ کی ذاتی وجاہت کے متعلق ذیل کا بیان ڈبلیو، جی۔ اوسبرن نے دیا ہے۔ جو لارڈ اکلینڈ کا فوجی سیکرٹری تھا۔

"راجا دھیان سنگھ بنی نوع انسان کا ایک شریف نمونہ ہے۔ اہل ملک کی بلندئے قد سے کچھ زیادہ ہے۔ اس کی آنکھیں پھرتیلی اور سنجیدہ ہیں۔ اس کی پیشانی بلند اور خوش منظر ہے۔ اس کے نقش

عقابی ہیں۔ جب وہ فرانس کے شاہ لوئس فلپ کے تحفہ یعنی ایک شاندار خورد اور مصقل فولاد کے ذرہ میں ملبوس ہوتا ہے۔ تو وہ مردانہ وجاہت اور فراست کا مجسمہ نظر آتا ہے"

جونہی دھیان سنگھ کے قتل کی خبر شائع ہوئی۔ راجگان جموں کی پارٹی نے لڑائی کی تیاری کر دی۔ ہیرا سنگھ اور سوچیت سنگھ نے جو لاہور میں تھے۔ فی الفور ادھر ادھر حکم بھیج دیا اور لاہور کا تمام منظر مبدل ہو گیا۔ شہر اب رقیب کیمپوں کا مسکن بن گیا۔ راجہ ہیرا سنگھ نے اس موقع پر غیر متوقع طمانیت قلب کا ثبوت دیا۔ وہ جرنیل اویٹابل کے تخت پر چڑھ گیا۔ اور وہاں بیٹھکر اس نے متعدد سرداروں کو پیغام بھیج دیئے۔ کہ وہ فوراً حاضر ہو جائیں۔ اس دعوت کی تعمیل آناً فاناً کی گئی۔ اور سردار اپنی سپاہ سمیت بدھو کا آوا کے دامن میں جمع ہو گئے۔ خود کو سامنے لاکر اور تلوار کو بے نیام کر کے نوجوان راجہ یوں مخاطب ہُوا:۔

"تمہیں معلوم ہے۔ کہ غداروں نے ہمارے بادشاہ اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے۔ اور میرے بہادر پتا کو بھی، جو تم سے ایسی ہی محبت کرتا تھا۔ جیسی خود مجھ سے، ہم بادشاہ سے محروم کر دیئے گئے ہیں، اور میں باپ سے، اب میں آپ کی بہادری پر آپ کی حب وطنی پر، اور اپنے مرحوم بادشاہ

سے آپ کی وفاداری پر بھروسہ کرتا ہوں۔ یا تو مجھے مضبوطی کے ساتھ کھڑا کردو۔ اور یا اس تلوار کے ساتھ مجھے قتل کردو۔ کیونکہ عزت کی موت اس بات سے بہتر ہے۔ کہ انسان دشمنوں کے نرغہ میں ذلت کی زندگی بسر کرے"!

سامعین نے اس موثر تقریر پر فوراً لبیک کہا۔ اور تمام فوج نے اس کی پیروی قبول کرلی۔ چنانچہ ۴۰۰۰۰ سپاہیوں کی کمان پر ہیرا سنگھ نے سندھیانوالیہ سرداروں کے حالات پیش قدمی کی تقلعہ کے حملہ میں سوچیت سنگھ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ اور قلعہ ان کے ہاتھ آ گیا۔ اجیت سنگھ کو قاتل کا انجام نصیب ہوا۔ اور لہنا سنگھ کا کام بھی لڑائی میں تمام ہوا۔ اجیت سنگھ کے سر کو دھیان سنگھ کی بیوہ رانی کے قدموں پر رکھا گیا جس نے حالتِ قناعت میں یہ الفاظ کہے "اب میری تسلی ہوگئی ہے" پھر وہ ہیرا سنگھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ کہ "اب میں تمہارے پتا کو بتا سکوں گی۔ کہ تم نے بہادر اور فرض شناس بیٹے کا حق ادا کیا ہے"۔ اس کے بعد اس نے اپنے متوفی خاوند کی کلغی ہیرا سنگھ کے سر پر رکھی۔ اور ستی کیخاطر ٹھنڈے دل سے چتا پر چڑھ گئی۔

اس کے بعد سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ نے دلیپ سنگھ کو تخت پر بٹھلایا۔ اور ہیرا سنگھ وزیر اعظم بنا۔ جب معاملہ رو براہ ہو گیا۔ تو گلاب سنگھ جو خود کو لاہور کی سازشوں سے یکسو رکھے رہا۔ جموں سے وارد ہوا۔ سب لوگوں نے اس سے درخواست کی۔ کہ آپ وزیر اعظم

کا منصب قبول کر لیں ۔ بالخصوص اس درخواست پر وزیر خارجہ عزیز الدین نے خوب زور دیا ۔ جسے اس بات کا احساس تھا ۔ کہ امن و امان کی بحالی اور سلطنت کے جہاز کو مضبوط راہوں سے چلانے کے لئے ایک طاقتور ہاتھ کی ضرورت ہے ۔ مگر گلاب سنگھ نے جسے لاہور کے حالات کا علم تھا ۔ سکھ سیاسیات کے بھنور میں گرفتار ہونے سے انکار کر دیا ۔ اور سوچیت سنگھ کو ہمراہ لے کر جموں واپس چلا گیا تاہم اس نے اپنی سپاہ کے ایک دستہ کو دیوان ہری چند کی سرکردگی میں شاہدرہ چھوڑ دیا ۔ کیونکہ اسے خوب معلوم تھا ۔ کہ ہیرا سنگھ کو جلد ہی امداد مطلوب ہو گی ۔

چوتھا باب

گلاب سنگھ اور سکھ طوائف الملوکی (مسلسل)

بحیثیت وزیر اعظم ہیرا سنگھ کو بڑی مشکلات کا سامنا پڑا۔ نوعمر دلیپ سنگھ جس کے مہاراجہ بننے کا اعلان کیا گیا۔ کے حقوق کی مخالفت، رنجیت سنگھ کا ایک برائے نام بیٹا... پشاورا سنگھ کر رہا تھا۔ راجہ سوچیت سنگھ نے جو ہیرا سنگھ کے منصب کا حاسد تھا۔ رنجیت سنگھ کے دو برائے نام لڑکوں پشاورا سنگھ اور کشمیرا سنگھ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ جنہوں نے دلیپ سنگھ کی حکمرانی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ کشمیرا سنگھ نے جو سیالکوٹ کی جاگیر پر قابض تھا۔ اپنی باغیانہ جدوجہد کو جاری رکھا۔ اور گلاب سنگھ کو اسے حلقۂ اطاعت میں لانے کا حکم ملا۔ سکھ سپاہی کشمیرا سنگھ کے خلاف لڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس

لئے کہ وہ رنجیت سنگھ اعظم کا بیٹا تھا۔ لیکن گلاب سنگھ نے اپنی ڈوگرہ سپاہ کی مدد سے شہر کو مسخر کر لیا۔ گو اس نے شہزادوں کو بچ نکلنے کا موقع دے دیا۔

ادھر سوچیت سنگہ نے بغاوت کی حمایت کا وعدہ دے رکھا تھا۔ اور چچے اور بھتیجے کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ چنانچہ مارچ ۱۸۴۴ء کو سوچیت سنگھ جسے فوج کی بے اطمینانی کا علم تھا۔ یک لخت لاہور میں آدھمکا اور بغاوت کے قیام کی کوشش کی۔ لیکن اس کی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ ہیرا سنگھ نے ہمت سے کام لیا۔ سوچیت سنگھ اپنی سپاہ کو شاہدرہ چھوڑ آیا تھا۔ اور اس نے دریائے راوی کو صرف ۰۰ہم آدمیوں سمیت عبور کیا تھا۔ لیکن جس وقت وہ لاہور آیا۔ تو جن رجمنٹوں نے اسے بُلایا تھا۔ انہوں نے علم بغاوت بلند کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن ہیرا سنگھ نے اس کے کمپ کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ سوچیت سنگھ مغلوب ہوا۔ اور حالت جنگ میں مارا گیا۔ اب تک تمام امور خوش اسلوبی سے چل رہے تھے۔ سوچیت سنگھ اور دوسرے لوگوں کے خلاف کامیاب ہو کر ہیرا سنگھ نے گلاب سنگھ سے برسر مقابلہ ہونے کی کوشش کی۔ چنانچہ اس پرخاش کا فوری موقع سوچیت سنگھ کی جائیداد کا دعویٰ تھا۔ جس پر گلاب سنگھ، سوچیت سنگھ کی وفات پر قابض ہو گیا تھا۔ گلاب سنگھ پر اقدام کرنا حوصلہ چاہتا تھا لیکن ہیرا سنگھ میں خواہ اس کے اور نقائص کچھ ہی کیوں نہ ہوں اس وصف کی کمی نہیں تھی۔ علاوہ ازیں ہیرا سنگھ اس امر کا ادعا کرتا تھا۔ کہ سوچیت سنگھ کی جائیداد دربار لاہور کے حق میں

بوجہ اس کی بغاوت کے ضبط ہو چکی تھی۔ ادھر گلاب سنگھ نے اس پر قبضہ کرنے کی یہ دلیل پیش کی۔ کہ سوچیت سنگھ نے چونکہ لاولد تھا۔ رنبیر سنگھ کو حالت بچپن میں متبنے بنا رکھا تھا۔ لہذا متوفی راجہ کی جائیداد اسی کا حق ہے۔ ہیرا سنگھ نے بھی یہ دعویٰ کیا۔ کہ وہ اس متاع کا قانونی وارث ہے۔ گلاب سنگھ نے دست کشی سے انکار کیا۔ ہیرا سنگھ نے حکم دیا۔ کہ پنجاب میں جو قصبے اور علاقے گلاب سنگھ کو بخشے گئے ہوئے ہیں۔ وہ ضبط کر لئے جائیں۔ اور مزید برآں اس نے خود جموں پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گلاب سنگھ اس صورت حالات کے لئے تیار تھا۔ لیکن چونکہ مخالفت کا وجود دربار کی کمزوری کا باعث ہو سکتا تھا۔ اس لئے گلاب سنگھ سوچیت سنگھ کی نصف جائیداد ہیرا سنگھ کو دینے پر رضامند ہو گیا۔ اور اس پر جو قصبے اور دیہات گلاب سنگھ سے لئے گئے تھے . . . . . .
. . . . . . اسے واپس دے دیئے گئے۔

ہیرا سنگھ جائز طور سے اس امر کا ادعا کر سکتا تھا۔ کہ قلیل عرصہ میں اس نے امن و امان بحال کر لیا۔ ہر قسم کی بغاوت فرو کر دی۔ اور گلاب سنگھ تک سے دربار لاہور کے تسلط کو تسلیم کرا لیا۔ لیکن اس کا ستارہ تنزل پر تھا۔ بدچلن رانی جنداں اور اس کا چاہنے والا لال سنگھ رانی کے بھائی جواہر سنگھ کی طرف رجوع ہوئے۔ جو کسی حد تک خاص جرأت کا مالک تھا۔ اور اس سے ہیرا سنگھ کی طاقت کو مٹانے کے لئے امداد چاہی۔ چنانچہ جواہر سنگھ نو عمر مہاراجہ کو فوج کے پاس لے گیا۔ اور اپیل

فوج سے درخواست کی۔ کہ دلیپ سنگھ کو حقیقی طور پر بادشاہ بنانے
کے لئے ہیرا سنگھ سے نجات حاصل کرنی چاہیئے۔ لیکن فوج نے
اس حرکت کو قابل اعتراض گردانا۔ کیونکہ ہیرا سنگھ کی ہر دلعزیزی
ان کے دلوں پر نقش تھی۔ ہاں اہل فوج نے اتنا گوارا کیا کہ وہ ہیرا
سنگھ سے اپنے پنڈت جلا سے دستکشی کرنے کی درخواست کریں مگر
مگر ہیرا سنگھ نے اپنے دوست کو ہاتھ سے دینے سے انکار کیا
اور خطرہ آمیز ماحول کا اندازہ کرتے ہوئے اپنے مشہور گھوڑے برچھی
بہادر پر سوار ہو کر لاہور سے رخصت ہو گیا۔ لیکن راستے ہی میں اس
کی پارٹی محصور ہو گئی۔ اور ہیرا سنگھ ۲۱ دسمبر ۱۸۴۴ء کو آخیر لمحہ تک
لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا۔

دربار لاہور کی ابھی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ گو دھیان سنگھ سوچیت سنگھ
اور ہیرا سنگھ مر چکے تھے۔ لیکن خاندان جموں کا سب سے پرانا اور سب سے طاقتور
فرد ابھی زندہ تھا۔ اور اپنے مقبوضات میں خوب مستحکم تھا۔ اسے اپنے
قبضہ و اختیار میں لینا کوئی آسان امر نہیں تھا۔ مگر وجہ پرخاش جلد
گھڑ لی گئی۔ ہیرا سنگھ کی جائیداد کو ضبط قرار دیا گیا۔ رانی جنداں
نے لالہ رتن چند اور بابا میاں سنگھ کو گلاب سنگھ کے پاس اس
مطالبہ کے ساتھ بھیجا۔ کہ راجہ ہیرا سنگھ کی جائیداد دربار لاہور
کے حوالے کر دی جائے۔ اور علاوہ ازیں خود راجہ بھی اپنے گستاخ
رویہ کی پاداش میں تین کروڑ روپیہ کا جرمانہ ادا کرے۔ رانی نے
یہ بھی مطالبہ کیا۔ کہ دھیان سنگھ کے دوسرے بیٹے میاں جواہر سنگھ
کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ گلاب سنگھ نہ چاہتا تھا۔ کہ جواہر سنگھ

کو ان لوگوں کے ہاتھوں میں دے۔ جن کے ہاتھ ابھی تک دھیان سنگھ کے خون سے آلودہ تھے۔ چنانچہ اس نے جواہر سنگھ کو جسبر وٹہ بھیجدیا جہاں ہیرا سنگھ نے اپنی وفات سے پہلے جمبہ پر حملہ کرنے کے لئے ایک فوج فراہم کر رکھی تھی۔ لعبدہٗ گلاب سنگھ نے اپنے تمام کمانڈروں کو حکم دیدیا۔ کہ وہ تیار ہو جائیں۔ اور اپنی سپاہ کو جنگ کے لئے آمادہ کریں۔ اس نے دیوان ہری چند کو بھی واپس بلا لیا۔ جس کے سپاہی اوڑہی کے مقام پر تھے۔ اور وزیر لکھپت کو بھی جو غلام محی الدین کی امداد کے لئے گھوڑی گیا ہوا تھا۔ حکم دیا گیا۔ کہ وہ اپنی زیر کمان افواج کو لے کر جلد واپس آ جائے۔ یہ موقع حقیقتاً نازک تھا۔ دربار لاہور جس کی روش ہمیشہ سے دوستانہ رہی۔ اب سر عناد تھا۔ سکھ سردار جنہوں نے راجگان جموں پر کبھی اعتماد نہیں کیا۔ دربار لاہور کی طرف سے ان کی مفروضہ غداری کا انتقام لینے کے لئے تیار تھے۔ غلط افواہیں پھیلائی گئیں۔ اور خود راجپوتوں میں بغاوت منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن گلاب سنگھ نے کبھی بھی ہمت نہ ہاری۔ جیت سنگھ اٹاروی نے جو اس وقت جموں میں مقیم تھا۔ جہاں اس نے رانی جنداں اور اس کے درباریوں کے ہاتھ سے پناہ لے رکھی تھی۔ سکھ سپاہیوں کو تسلی دینے کی سعی کی۔ لیکن وہ حملہ جموں پر تلے ہوئے تھے۔ سکھ فوج نے سب سے اول جسبر وٹہ پر حملہ کیا۔ جواہر سنگھ جو وہاں انچارج تھا۔ اس کے دیوان نے بیوفائی کی۔ اور فوج کے ایک دستہ کے ساتھ وہ دشمن سے جا ملا۔ چنانچہ جسبر وٹہ رام سنگھ کے ہاتھ آ گیا۔ اور جواہر سنگھ جموں واپس لوٹ آیا۔ گلاب سنگھ کی مخالف طاقتوں

ہیں آئے دن ترقی ہو رہی تھی۔ فقیر اللہ راجوری نے سکھوں سے اتحاد کر لیا۔ اور تسخیر پونچھ کی خاطر سپاہ کا ایک دستہ روانہ کیا۔ جواہر سنگھ کی نوشہرہ کی رجمنٹ نے غدر برپا کر دیا۔ اور دشمن فریق کے ساتھ جا ملیں راجہ لال سنگھ وزیر اعظم لاہور نے بذات خود حملہ کی کمان اختیار کی۔ اور سکھ افواج نے بعض ان جاگیروں پر بھی قبضہ جما لیا۔ جو گلاب سنگھ کو عطا ہو چکی تھیں۔ اس وقت تک تو جنگ کا سماں گلاب سنگھ کے خلاف جا رہا تھا۔ مگر راجہ نے اپنے حوصلہ کو برقرار رکھا۔ اور دیوان ہری چند کے سپرد اپنے محل کی حفاظت کی۔ وزیر زتنو کو جو لداخ میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ اور جواہر سنگھ کو جموں کی حفاظت تفویض کی گئی جسے لال سنگھ کے ماتحت سکھ فوج کا خطرہ لاحق ہو رہا تھا۔ سکھوں کی ایک رجمنٹ جسروٹہ میں مقیم تھی۔ اور دوسرا دستہ رام نگر سے روانہ ہو گیا۔ گورنر کشمیر کو بھی دربار لاہور نے حکم دیا۔ کہ اپنی سپاہ کو کشتواڑ بھیجدے۔ اور اس علاقہ میں علم بغاوت بلند کر دے۔ اس طرح پر تمام اطراف سے خطرات سے محیط ہو کر ایک کم ظرف آدمی یقیناً مایوس ہو جاتا۔۔۔ مگر گلاب سنگھ چٹان کی مانند قائم رہا۔ جو لوگ اس موقع تک گلاب سنگھ کے وفادار بنے رہے ان میں دیوان جوالا سہائے۔ دیوان جوالا سہائے کے بھائی دیوان ہری چند اور وزیر لکھپت کے نام قابل ذکر ہیں۔

راجہ لال سنگھ کی فوج نے جموں سے دس میل کے فاصلہ پر قیام کیا۔ چونکہ جموں کی تسخیر کا جو بلحاظ اپنے محل وقوع کے ناقابل گزر خیال کیا جاتا تھا۔ کوئی امکان نہیں تھا۔ لال سنگھ نے سردار فتح سنگھ کو بحیثیت سفیر بدیں غرض بھیجا۔ کہ گلاب سنگھ کو راہ راست پر آ جانے کی ترغیب دے

گلاب سنگھ نے جواب دیا۔ کہ میں دربار لاہور کے احکام ماننے کیلئے تیار ہوں بشرطیکہ میرے علاقہ کا احترام کیا جائے۔ جب سفیر محل سے روانہ ہوئے تو گلاب سنگھ نے وزیر رتنو کو ان کے ساتھ محافظ کے طور پر بھیجا۔ لیکن راستہ میں ایک واقعہ رونما ہو گیا۔ وہ یہ کہ راجہ جواہر سنگھ کے بعض حد سے زیادہ سرگرم سپاہیوں نے جنہوں نے سفراء کو بحیثیت محارب فریق کے سرداروں کے پہچان لیا۔ ان سفراء کو دروازہ گزرتے وقت گولی کا نشانہ بنا دیا۔ اس پر راجہ لال سنگھ کی سپاہ نے جموں پر چڑھائی کردی۔ سپاہیوں نے اردگرد کے دیہات کو آگ لگا دی۔ اور ۲ر اپریل ۱۸۴۵ء کے دن انہوں نے خود شہر کا محاصرہ بھی کر لیا چنانچہ ستواری کے میدان میں جنگ واقع ہوئی جسمیں افواج جموں کی کمان دلوان ہری چند کے ذمہ تھی۔ سکھ فوج کو شکست ہوئی۔ اور ان کی پانچ توپیں گلاب سنگھ کے ہاتھ آگئیں۔ لیکن رم نگر نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور گودبون گڑھ کی حفاظت ارین مل نے نہایت جوانمردی سے کی۔ اسے بھی بھاری بھرکم تعداد کے سامنے سرنگوں ہونا پڑا۔

اوتم بھائی کے مقام پر دشمن فریق کو روکنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن یہ کوشش کامل طور سے کامیاب نہ ہوئی۔ سکھ فوج کی مذور نقل و حرکت نے گلاب سنگھ کو اس انتخاب پر مجبور کر دیا۔ کہ یا تو وہ اندرون علاقہ میں ہٹ جائے۔ اور یا گفت و شنید کا افتتاح کرے۔ چنانچہ اس نے موخرالذکر طریق کو ترجیح دی۔ گو سکھ سپاہ صلح جوئی کی ہم آہنگ نہیں تھی۔ لیکن سرداروں نے انہیں سیالکوٹ کی

مراجعت کی ترغیب دی۔ سردار سلطان محمد خاں اور سردار چتر سنگھ کو شرائط صلح کی گفت و شنید پر مامور کیا گیا۔ اور تجویز ہوا۔ کہ لال سنگھ اور گلاب سنگھ باہم اکٹھے ہوں۔ اور مفاہمت کی شرائط کو طے کریں۔ لاہوری سرداروں نے رضامندی کا اظہار کیا۔ کہ سکھ واپس گھروں کو لوٹ جائیں گے بشرطیکہ جواہر سنگھ ان کے حوالے کر دیا جائے۔ گلاب سنگھ نے یہ تجویز مان لی۔ مگر جونہی کہ جواہر سنگھ سکھوں کے ہاتھ آیا۔ انہوں نے اسے قید کر لیا۔ بخشی برکت رام نے اس وقت بھی سکھوں کو یہ ترغیب دینے کی کوشش کی کہ وہ قلعہ پر حملہ کریں۔ لیکن اس تجویز کو خود گلاب سنگھ نے درہم برہم کر دیا۔ جو حشم کثیر کے ساتھ سکھ کیمپ میں پہنچ گیا۔ اس نے دیوان ہری چند کو اپنی ریاست کی حکومت سپرد کی۔ اور ہدایت کی کہ قلعہ یا شہر جموں کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دے۔ پھر بڑی جرات کے ساتھ گلاب سنگھ ذاتی طور پر سکھ سپاہیوں کے درمیان گیا۔ اور ان کی دو رجمنٹیں اپنی طرف کرالیں۔ دیوان جوالا سہائے کو اس نے قبل از وقت سردار میوا سنگھ مجیٹھیا کے کیمپ میں بلا لیا۔ جسے وہ اچھی طرح سے جانتا تھا۔ میوا سنگھ کے زیر کمان رجمنٹوں نے گلاب سنگھ کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ گلاب سنگھ نے افسروں اور سپاہیوں کے مابین فراخدلی کے ساتھ روپیہ تقسیم کیا۔ ہر سپاہی کو پانچ روپے کا تحفہ دیا۔ اور ہر جرنیل کو ۲،۰۰۰ روپیہ کا نقد نذرانہ اور زریں اور سیمیں کاٹھی کے ساتھ ایک زرق برق گھوڑا دیا۔ اسی پالیسی سے کام لے کر اس نے بعض کم درجہ سرداروں اور فوج کے ایک معتدبہ حصہ کو مسخر کر لیا۔ اور سپاہ نے گرنتھ صاحب کی قسم کھائی۔ کہ اگر وہ ان کے ساتھ لاہور جائے تو اسے آنچ نہیں آنے

ذیر ہو گئے۔ فوج کے سردار بیزار ہو رہے تھے۔ لیکن سپاہی بغیر ان کی پرواہ کئے گلاب سنگھ کی سرکردگی میں لاہور واپس آ گئے۔

رانی جنداں واقعات کی اطلاع پا کر قدرتی طور سے ناراض ہوئی۔ اس نے اپنی فوج کو گلاب سنگھ کی تسخیر کیلئے بھیج رکھا تھا۔ اور اس نے اس غرض کے حصول کے لئے اپنی عظیم الشان ریاست کے تمام ذرائع وقف کر رکھے تھے۔ لیکن نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ دشمن جس کی گرفتاری کے لئے رانی جنداں بے چین تھی۔ اس کی اپنی فوج کے سر پر سردار بنا پھر رہا تھا۔ اس نے فوج کے رویہ کی ناپسندیدگی کے اظہار میں ایک پیغام بھیجا۔ اور اس پر سپاہیوں کا مزاج پھر متغیر ہو گیا۔ لیکن جرنیل میوا سنگھ اپنی چار رجمنٹوں کے ساتھ گلاب سنگھ کا وفادار بنا رہا۔ اور اس اثناء میں اسے بال کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جب کبھی شاہدرہ پہنچا۔ تو جرنیل میوا سنگھ کو جو آگے آگے جا رہا تھا۔ رانی کے حکم سے قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ سپاہیوں کو گلاب سنگھ پر حملہ کرنے کے احکام دیئے گئے۔ اور ایک موقع پر صورت حالات اتنی نازک ہو گئی۔ کہ اسے اپنے خاتمہ کا یقین ہو گیا۔ تاہم اپنی جان کو جنگ میں دے دینے کے فیصلہ سے قبل اس نے عندالمکان سپاہیوں کو ہموار کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ انہیں گرنتھ صاحب کی یہ قسم یاد دلا کر کہ وہ اسے بحفاظت لاہور پہنچائیں گے۔ اس نے درخواست کی۔ کہ چونکہ وہ لاہور پہنچ چکے ہیں۔ اسے لاہوری سپاہیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اس پر سپاہ متفق ہو گئی۔ چنانچہ دیوان نہال چند کوٹ شاہدرہ چھوڑ کر گلاب سنگھ نے جوالا سہائے اور بخشی ہری سنگھ کی معیت میں دریا کو عبور کیا۔ اور لاہور پہنچ گیا۔

جب پارٹی دریا عبور کر چکی۔ تو سرداروں کے نام اس مضمون کا حکمنامہ جاری ہوا۔ کہ گلاب سنگھ کو گرفتار کر لیا جائے۔ اور اسے گارد کی ماتحتی میں دربار میں پیش کیا جائے۔ جب گلاب سنگھ لاہور پہنچا۔ تو عوام الناس کا ایک بھاری مظاہرہ اس کے انتظار میں تھا۔ وہ شہر میں نصف شان وشوکت اور نصف غلامی کے عالم میں داخل ہوا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ایک قیدی ہے۔ لیکن عوام الناس کا اعتماد اسکی شخصیت میں اس قسم کا تھا کہ انہوں نے فرض کر لیا تھا۔ کہ گلاب سنگھ تمام مشکلات سے فتحمندی کا پھریرا لہراتے ہوئے نکل آئیگا۔

دربار میں وارد ہونے پر گلاب سنگھ کے لیے حکم ہوا۔ کہ اسے قید تنہائی میں رکھا جائے۔ دیوان جوالا سہائے مردانہ وار دربار میں گیا۔ اور اپنے آقا کے لئے باعزت سلوک کی درخواست کی۔ اس بات کا امکان ابھی باقی تھا۔ اس لئے کہ جوالا سہائے ابھی آزاد تھا۔ حکومت لاہور نے گلاب سنگھ کا خزانہ حاصل کرنے کی خواہش کی۔ اور جوالا سہائے کی رازداری کا علم رکھتے ہوئے اس پر سختی کرنے کی تجویز کی۔ مگر دیوان ان دربار لاہور کے طامع سرداروں کے جال میں بھلا کب آ سکتا تھا۔ اس نے سپاہیوں کے مابین یہ خبر پھیلا دی۔ کہ درباریوں کی غرض یہ ہے کہ گلاب سنگھ کا جمع شدہ خزانہ اپنی ذات کے لئے حاصل کر لیں۔ اور اس کے وسیع ذخائر خود اپنے مابین تقسیم کر لیں۔ اس طریق سے دیوان جوالا سہائے نے سپاہ کے درمیان ہلچل پیدا کر دی۔ سرداران فوج رتن سنگھ کی سرکردگی میں لال سنگھ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اور انہوں نے گلاب سنگھ کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ دوسرے لوگوں نے

بھی عام دربار میں اپنے احساسات کا اظہار کیا۔ سپاہیوں نے اپنی قسم یاد کی۔ اور اس امر کا اعلان کیا۔ کہ اگر گلاب سنگھ کا بال تک بیکا ہوا۔ تو وہ ارکان حکومت سے انتقام لیں گے۔ جب سپاہیوں کا رجحان طبیعت معلوم ہوا تو گورنمنٹ قدرتی طور سے مخمصہ میں پڑ گئی۔ لیکن اہل حکومت کے پاس ایک داؤ اور تھا۔ چنانچہ انہوں نے دلیپ سنگھ کو فوج کے سامنے پولو کے میدان میں پیش کیا۔ مگر رتن سنگھ نے جس کا پیٹ جواہر سنگھ نے خوب بھر رکھا تھا۔ سپاہیوں کو قبل از وقت ابھارا۔ اور جب جواہر سنگھ نوعمر دلیپ سنگھ کی معیت میں منظر پر آیا۔ تو سپاہ نے بیک آواز اعلان کر دیا۔ کہ گلاب سنگھ کی رہائی لازمی ہے۔ دربار اس مطالبہ کی مخالفت میں ناچار رہا۔ اور گلاب سنگھ کو فوراً رہا کر دیا گیا۔ اسے ۶۸ لاکھ کا جرمانہ ادا کرنے پر ان ارضیات پر بحال کر دیا گیا۔ جن کی ضبطی کا اعلان ہو چکا تھا۔ اور کاہناٹے نمک کی متاجری کی تجدید کر دی گئی۔ گلاب سنگھ لاہور میں اگست ۱۸۴۵ء تک مقیم رہا۔ اور اس نے اپنا وقت سپاہیوں کے مابین ہر دلعزیز بننے میں صرف کیا۔

ماہ ستمبر ۱۸۴۵ء میں جواہر سنگھ کو سپاہیوں نے پھانسی دیدی اور سلطنت ایک دفعہ پھر وزیر کے بغیر رہ گئی۔ چنانچہ گلاب سنگھ سے لاہور آنے۔ اور منصب وزارت سنبھالنے کی درخواست کی گئی۔ لیکن راجہ جموں کو اپنے تازہ تجربہ اور اس سلوک کے بعد جو اس کے خاندان سے روا رکھا گیا۔ اس امر کی ترغیب دینا محال تھا۔ کہ اپنے پہاڑی قلعہ کو ایسے امر میں شریک ہونے کے لئے خیرباد کہدے

جو اس کے بھائیوں اور بھتیجوں کے لئے ایک مہلک مشغلہ ثابت ہو چکا تھا۔

تو یہ تھی صورتِ حالات انگریزوں اور سکھوں کی جنگ کے شروع ہونے سے عین پیشتر۔ دربارِ لاہور خاندان جموں کے استیصال خاطر ہر کوشش کر چکا تھا۔ اور صرف گلاب سنگھ کی ذات ایسی تھی۔ جو اِن کی خون آشامی سے بچ نکلی۔ اور وہ بھی محض خوش قسمتی سے خالصہ سرداروں اور رانی جنداں نے اس بات کا ثبوت دے رکھا تھا کہ وہ گلاب سنگھ کے ہوا خواہ نہیں ہیں؛

پانچواں باب

لداخ۔ بالتستان اور مغربی تبت کی فتح

(سنہ ۱۸۳۴ء سے سنہ ۱۸۴۲ء تک)

لداخ کی سطح مرتفع جغرافیائی طور پر ہندوستان سے متعلق نہیں ہے بلکہ وہ ہمالوی سطح کا حصہ ہے۔ اور عرصہ دراز تک اس پر ایک تبتی الاصل خاندان حکمران رہا ہے۔ لداخ کی آبادی بیشتر منگول جنسیت پر مشتمل ہے۔ اور لامی شکل کا بدھ مت اس کا مروجہ مذہب ہے۔

شمال میں لداخ کا علاقہ درہ قراقرم تک کوہستان قراقرم سے کیط ہے۔ مغرب میں اس کی حد گلگت اور اسکردو کو چھو رہی ہے لداخ دنیا بھر کے نہائت مرتفع علاقوں میں سے ہے۔ اور اسکی بلندی سطح سمندر سے ۱۲۰۰۰ فٹ کے قریب ہے۔ ان برف سے مستور کوہستانی سلسلوں کو جو ملک لداخ کا احاطہ کئے ہیں۔ عظیم الشان پہاڑی چوٹیاں جن کی رفعت ۲۵۰۰۰ سے ۲۸۰۰۰ فٹ کے مابین ہے شان عظمت عطا کر رہی ہیں۔

اصل لداخ کا نہایت ضروری جزو درمیانی لداخ کا رقبہ ہے

جس میں سے دریائے سندھ گذرتا ہے۔ لداخ اور بالتستان کی آب و ہوا خشک اور صحت بخش ہے۔ سال کے زیادہ حصہ میں موسم نہایت سرد رہتا ہے۔ بارش نہایت خفیف ہوتی ہے۔ اور سبزی نہایت قلیل ہوتی ہے۔ عمارتی لکڑی اور ایندھن ایسی اشیاء کا حصول نہائیت مشکل ہے۔ آبادی کا گزارہ کاشتکاری پر ہے۔

سارے ملک کے عمومی منظر کو مسٹر کننگھم نے اپنی کتاب موسومہ بہ لداخ مطبوعہ ۱۸۵۴ء میں ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

" لداخ کا منظر عمومی انتہائی غیر آبادی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اوپر سے نگاہ ڈالی جائے۔ تو وہ محض زرد میدانوں اور بنجر پہاڑیوں کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ جو برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ پینگ کانگ اور ستمو ریری کی جھیلیں۔ چٹانوں اور ریت کے کسی وسیع صحرا میں روشن سبزہ گاہوں کی مانند نظر آتی ہیں۔ آدم ذات یا انسانی آبادیوں کا کوئی نشان آنکھ کے سامنے نہیں آتا۔ اور مزروعہ زمین کے بڑے بڑے قطعے بھی کسی پسماندہ دنیا کے عظیم الشان جنگل پر چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کا منظر پیش کرتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھنے پر بیشمار زرخیز قطعے نظر آئیں گے۔ جو بارونق فصلوں اور گوناگوں معبدوں سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ جن میں سے انسانی صداؤں کا گیت روزمرہ کی دعا اور حمد کی صورت میں فضائی بلندی میں چڑھتا رہتا ہے"

گو لداخ اور بالتستان جغرافیائی رنگ میں مشابہ ہیں۔ اور ان کے باشندے نسلی طور پر ایک ہی ہیں۔ لیکن وہ مختلف مذاہب

کے پیرو کار ہیں۔ لداخ کے لوگ تو بُدھ مت رکھتے ہیں بجالیکہ بالتستان کے لوگ زیادہ تر مسلمان ہیں۔ ابتدا میں لداخ ۔ تبت کا ایک حصہ تھا۔ لیکن پندرہویں صدی میں وہ تبتی بادشاہوں کے ایک سلسلہ کے ماتحت خود مختار بن گیا۔ جنہوں نے لاماے اعظم کو اپنا مالک اعلے تسلیم کر لیا۔ یہ خاندان انیسویں صدی تک برسر حکومت رہا۔ اس لداخی سلسلہ کا آخری بادشاہ زیپل نامگیال تھا جس نے تخت کو اپنے بھائی کے ورثہ میں حاصل کیا۔ یہ بادشاہ ایک وہمی آدمی تھا۔ اور اس کے تلون طبع کے متعلق بیشمار حکایات مذکور ہیں۔ وہ رات کو خود بھی نہ سوتا۔ اور نہ ہی اس کے نوکروں کو سونے کی اجازت تھی۔ اسی کے عہد حکومت میں مورکرافٹ نے لداخ کا سفر کیا معلوم ہوتا ہے کہ اس انگریزی سیاح نے لداخ میں ایک قلعہ بنانا چاہا۔ لیکن زیپل کی دانائی نے اسے انکار پر مجبور کیا۔ مورکرافٹ کی وساطت سے اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو اتحاد کی دعوت دی۔ مگر اس خواہش کی ترسیل کے صلہ میں اسے کلکتہ کے حکام نے ڈانٹ دیا۔ لداخی مورخین زیپل کے دور حکومت کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

گو ملک کی حالت معرض نقصان میں تھی۔ لیکن بادشاہ اس حقیقت کو محسوس نہ کرتا۔ اور اس نے کبھی یہ استفسار نہ کیا کہ اس کی رعایا اچھی حالت میں ہے۔ یا خراب حال ہے اسے صرف ایسے امور میں دلچسپی تھی جو اس کے حبیب سے مختص تھے۔ ان دنوں شاہی خزانہ اس قدر بڑھ چکا تھا

کہ اس کا نکاس کسی نہ کسی طریق سے ضروری تھا اور بادشاہ نے روپیہ عمارتی اغراض میں صرف کرنے کا فیصلہ کیا۔"

۱۸۳۴ء میں گلاب سنگھ نے لداخ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے خفیہ رائے طلب کی۔ اور اس اطلاع پر کہ انگریزی حکومت کو اس کی مہم پر کوئی اعتراض نہیں۔ جرنیل زورآور سنگھ کے ماتحت ایک منظم سپاہ تیار کی گئی۔ چنانچہ فوج مذکور نے کشتواڑ کے راستہ چڑھائی کی۔ اور لداخی صوبہ پورگ میں داخل ہو گئی اس صوبہ کی حکومت سہ گانہ تھی جس کا دارالخلافہ کارسٹی تھا۔ ابتدا میں تو کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ اس لئے کہ لداخی ششدر رہ گئے لیکن عجلت میں تقریباً ۵۰۰۰ آدمی فراہم کر لئے گئے اور ۱۶ اگست ۱۸۳۴ء کو مقام سانکو پر ڈوگرہ پیشقدمی کو روکنے کی کوشش کی گئی۔ لداخیوں کو شکست فاش ہوئی۔ کارسٹی ڈوگروں کے ہاتھ آ گیا۔ اور زورآور سنگھ باقاعدہ طریق سے کام لیتا ہوا سپاہ کے مختصر سے دستے قلعوں میں چھوڑتا گیا۔ اور ان کی مرضی پر سامان و اسلحہ کی کافی مقدار رکھتا گیا۔

کارسٹی سے حملہ آور فوج نے دریائے سورو کے نیچے کی جانب چڑھائی کی۔ پشکیوم کے میدان میں لداخیوں کو دوبارہ شکست ہوئی۔ چونکہ سردی کا موسم قریب آ رہا تھا۔ زورآور سنگھ نے معتدل آب و ہوا میں چلے جانے کی خواہش میں مصالحت کی گفت و شنید شروع کر دی۔ لیکن لداخیوں نے زورآور سنگھ کے آدمیوں کے اخراج خاطر موسم سرما کی انتہائی سردی پر انحصار رکھتے ہوئے

گفت وشنید سے انکار کر دیا۔ اور گوریلا طرز جنگ اختیار کر لیا علاوہ ازیں انہوں نے ڈوگروں سے لڑائی کیلئے مزید فوج فراہم کرنا شروع کر دی۔ مگر جس وقت ان کی تیاریاں اختتام کو پہنچیں۔ موسم کی سختیاں ختم ہو چکی تھیں۔ لداخی فوج نے لینگ کارٹسے کی طرف کوچ کیا۔ جہاں ڈوگرہ افواج موسم سرما کیلئے کیمپ لگائے ہوئے تھیں۔ لیکن وہ فوج جنگی ہمراہی اس مشکل سے عمل میں لائی گئی۔ لڑائی میں شامل نہ ہوئی۔ ڈوگرے چند دن کے لئے دشمن کے کیمپوں کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ اور انہیں سمت پا کر ان پر دھاوا بول دیا۔ لداخیوں نے اپنے مراکز کی حفاظت میں کوئی کوشش نہ کی۔ وہ محض دوڑتے بنے۔ اور اس دوڑ بھاگ میں ان کے ملک کی برف ناقابل بیان مصائب کا موجب بنی۔ لداخی فوج لیہ کو پسپا ہوئی۔ زیپل کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور وہ گفت وشنید پر رضامند ہو گیا۔ وہ خود بازگو آیا۔ جہاں زورآور سنگھ اور بادشاہ کے درمیان ایک اجلاس منعقد ہوا۔ شرائط مفاہمت کے بعد زورآور سنگھ لیہ گیا۔ اور زیپل کو گلاب سنگھ کے باجگزار حکمران کی حیثیت سے گدی پر بٹھلایا۔ راجہ سے ۲۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کا لگان اور ۵۰۰۰۰ روپیہ کا تاوان جنگ ادا کرنے کی تلقین کی گئی چنانچہ امن وامان کے قیام کے بعد زورآور سنگھ لامبوارہ کا عازم ہوا۔

سکھوں نے جو گلاب سنگھ کی روزافزوں طاقت کے حاسد تھے۔ زورآور سنگھ کی کامرانی کو رشک کی نگاہ سے دیکھا۔ میاں سنگھ گورنر کشمیر کے انتقال پر لداخیوں نے بغاوت کر دی۔ اور ڈوگرہ

فوج مقیم سوورو کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ موسم سرما ہو چکا تھا اور برف باری نے راستے مسدود کر دیئے تھے۔ لیکن زورآور سنگھ ایسا آدمی نہیں تھا۔ جو انتظار میں پڑا رہے۔ بڑی تیزی سے اقدام کرتا ہوا وہ لیہ پہنچ گیا۔ اور دشمن فریق منہ تکتا رہ گیا۔ گیالپو نے واقعات پر افسوس کا اظہار کیا۔ لیکن زورآور سنگھ نے باغیوں کو نمونے کی سزا دی۔ قلعوں میں کافی فوجی دستے متعین کر کے اور ایجنٹ دیوان دیا رام کو راجہ لداخ کے ہاں چھوڑ کر زورآور سنگھ موسم سرما کی خاطر جموں واپس چلا گیا۔ آئندہ سال زورآور سنگھ لیہ واپس گیا۔ اور اس نے دیکھا کہ زیبل کشمیر کے سکھوں کے بل بوتے پر بغاوت منظم کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ زیبل کو تخت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اور اسے صرف سٹاک کا گاؤں دیا گیا۔ جہاں اسکی اولاد اب تک گیالپو کے برائے نام خطاب سے رہائش پذیر ہے راجہ کی جگہ اس کے ایک رشتہ دار نگروب تانذان کو گورنر لداخ کی حیثیت دی گئی۔ تاہم اب کے زورآور سنگھ نے کسی اعتماد کو روا نہ رکھا۔ اس نے لیہ کو مستحکم کیا۔ اور وہاں ایک دستہ فوج متعین کر دیا۔ آئندہ سال زورآور سنگھ پھر موقع پر پہنچ گیا۔ نگروب تانذان) کو تخت سے علیحدہ کر دیا۔ کیونکہ وہ بغاوت کا ملزم قرار دیا گیا۔ اور زیبل کو مزید خراج کے وعدہ سے گدی پر بٹھلا دیا۔

گو ملک مفتوح ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی کامل امن و امان بحال نہیں ہوا تھا۔ ۱۸۴۰ء کے خاتمہ پر انہوں نے سکا میر نام کا ایک لیڈر مل گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ بغاوت رونما ہوتی۔ زورآور سنگھ کا فی سپاہ

کے ساتھ پھر آدھمکا۔ باغی لیڈر کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور اسے برسر بازار سُولی پر لٹکا یا گیا۔ اس کیفیت نے لداخیوں کے دلوں پر کافی رعب طاری کر دیا۔ جنہوں نے اس وقت سے ملک لداخ پر ڈوگرہ حکومت کو امن و امان کے ساتھ قبول کر رکھا ہے۔

اس طرح لداخ کو قطعی طور پر مسخر کر کے زور آور سنگھ نے بالتستان کی طرف توجہ منعطف کی۔ گو بالتستان کے باشندے لداخیوں کی نسل سے متعلق ہیں۔ لیکن وہ جیسا کہ قبل ازیں ذکر آ چکا ہے۔ مذہباً مسلمان ہیں۔ بالتی علاقہ کا سرکردہ سردار سلطان اسکردو تھا۔ حکمران بادشاہ کے سب سے بڑے بیٹے محمد شاہ نے زور آور سنگھ سے درخواست کی کہ اس کے حقوق کو مسلّمہ گردانا جائے۔ زور آور سنگھ نے ایک لداخی فوج محمد شاہ کے اپنے جرنیلوں کے ماتحت منظم کی۔ اور اس فوج کی امداد کے ساتھ بالتستان پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ بالتی فوج کو شکست ہوئی۔ اور قلعہ اسکردو مسخر کر لیا گیا۔ محمد شاہ یعنی سلطان کے عاق شدہ بیٹے کو سلطان بنایا گیا۔ لیکن زور آور سنگھ نے از روئے احتیاط ایک ڈوگرہ دستہ کو نئے سلطان کے تسلط کی تائید میں متعین کر دیا۔ اس مہم میں لداخیوں نے نمایاں حصہ لیا۔ اور شاہ زیل جس نے اپنی زندگی تک کی حفاظت میں کبھی مہم کا مُنہ نہیں دیکھا تھا۔ زور آور سنگھ سے شامل مہم رہا۔ مگر مہم سے واپسی پر بوڑھا بادشاہ مر گیا۔ اور اس کے ایک آٹھ سالہ پوتے کو گیالپو تسلیم کیا گیا۔

زور آور سنگھ ان فتوحات سے مطمئن نہیں تھا۔ اب اس نے ایک مشکل تر اور زیادہ خطرناک مہم کو اپنے ذمہ لیا۔ ہندوستان کی طویل تاریخ میں

ہندوستان کی کسی فوج نے تبت پر یورش نہیں کی تھی۔ کسی ہندوستانی حکمران نے اس کی تسخیر کا خیال کبھی نہیں کیا تھا۔ اور میدانی علاقہ کی گرمی سے مانوس کسی ہندوستانی جرنیل نے تبتی آب و ہوا کی سختی کے مقابلہ کی جرأت نہیں کی تھی۔ مگر زورآور سنگھ نے وسطی تبتی صوبہ کو اپنے آقا کے لئے مسخر کرنے کا خیال جمایا اور اس غرض کے لئے ایک مہم تیار کی۔

مئی ۱۸۴۱ء میں وہ دریائے سندھ کے اوپر کی طرف بڑھا۔ اور روڈک اور گیر کو فتح کر لیا۔ وہاں سے وہ مانسروار کے علاقہ میں بڑھا۔ یہاں تک اس کی مزاحمت نہیں ہوئی تھی۔ اس کی فوج محض ۵۰۰۰ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ جن میں سے اکثر بالتی اور لداخی رنگروٹ تھے۔ اور ان کی پشت پر ایک مختصر سی ڈوگرہ سپاہ تھی۔

مالک پر یورش کی گئی۔ زورآور سنگھ نے خود اپنا کیمپ تکلاکوٹ میں نصب کیا۔ اور کرنیل بستی رام کو جو اس مہم کا معتمد خاص ہے۔ تکلاکوٹ واقع سرحد منپال پر تعین کیا گیا۔ زورآور سنگھ کو اس بات کی توقع نہیں تھی کہ تبتی لوگ سردی کے موسم میں کوئی اہم کوشش کریں گے۔ لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ چنانچہ نومبر ۱۸۴۱ء میں جب کہ تبت کی سردی ناقابل برداشت ثابت ہو رہی تھی۔ زورآور سنگھ کو خبر ملی۔ کہ ایک لاسہ کی فوج حملہ آور ہونے کے مقابلہ کے لئے قریب آ رہی ہے۔ تبتیوں نے اس مختصر سے دستے کو جو اس نے افواج دشمن کی مزاحمت اور ان کی طاقت کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ایک دوسرے دستہ کا حشر بھی جو غلام خاں کی سرکردگی میں ارسال کیا گیا بعینہٖ یہی ہوا۔ اور بعد کیا تھا۔ زورآور سنگھ نے خطرہ کا اندازہ کر لیا۔ برف پر سے پسپائی

ناممکن دکھائی دیتی - اور مقابل دشمن کی تعداد اسکی زیرکمان سپاہ کے دو چند سے بھی زیادہ تھی - اس - نپولین اصول پر کاربند ہوتے ہوئے کہ حملہ بچاؤ کی بہترین صورت ہے - زورآور سنگھ اپنی تمام موجودہ فوج کے ساتھ آگے بڑھا ۱۱ دسمبر سنہ ۱۹۴۱ کو لڑائی کا افتتاح ہوا - اور جنگ تین دن جاری رہی ۱۲ دسمبر کو زورآور سنگھ گولی سے مجروح ہوا - اور گو وہ زخمی ہونے کے بعد بھی شیر کی مانند لڑتا رہا - ایک تبتی جنگجو نے اپنا نیزہ زورآور سنگھ کی چھاتی میں گھونپ دیا -

تو یوں خاتمہ ہوا زورآور سنگھ کا جو شاید ہندوستان کا انیسویں صدی کا بہترین جنگ آزما تھا - دلاور جرنیل ہونے کے علاوہ جیسا کہ لداخ اور بالتستان کی مہم سے ثابت ہے - زورآور سنگھ کے شامل حال معتدبہ سیاسی قابلیت بھی تھی - چنانچہ جدید مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق اس کی اس قابلیت کا شاہد ہے - ایک دفعہ نہیں - دو دفعہ نہیں - بلکہ چھ دفعہ فوج کا سطح سمندر سے ۱۵۰۰۰ فٹ بلند، لداخ اور بالتستان کے تخ بستہ کوہستانی سلسلوں پر لیجانا - جہاں ہوا اتنی لطیف ہے کہ میدانوں کے لوگ وہاں آرام سے بمشکل رہ سکتے ہیں ایک حیرت انگیز کامیابی ہے - اور اس ملک کا پے در پے مہموں کے بعد مسخر کر لینا اور اُسے پر امن علاقہ میں مبدل کر دینا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی - بحیثیت عظیم الشان اور شریف جنگجو زورآور سنگھ کی عظمت تاریخ ہند کے صفحات میں ہمیشہ تک چمکتی رہے گی -

مسٹر کننگھم رقمطراز ہے - کہ زورآور سنگھ کے ہندوستانی سپاہیوں نے

بیشمار دقتوں کی موجودگی میں جنگ کی میدان جنگ سطح سمندر سے ۱۵۰۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع تھا۔ اور موسم انتہائی سردی کا تھا۔ جبکہ دن کے وقت بھی درجہ حرارت نقطہ انجماد سے اوپر نہیں چڑھتا۔ اور رات کی شدید سردی کو صرف وہی لوگ برداشت کر سکتے ہیں۔ جن کے جسم میشوں سے لدے ہوئے ہوں۔ اور جن کے اردگرد آتشیں انگیٹھیاں جل رہی ہوں۔ متعدد راجپوت ہندوستانی سپاہ آب و ہوا کی شدت کا نشانہ بنی رہی۔ اکثر سپاہیوں کے ہاتھ پاؤں معطل ہو گئے۔ اور کم و بیش سب کے سب کہر کے مارے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ آخری جانکاہ دن یران کی نصف تعداد بھی اس قابل نہیں تھی۔ کہ ہتھیار ہاتھوں میں لے سکے"۔ جب زور آور سنگھ نے تبت پہ چڑھائی کی۔ تو انگریزی حکومت بے چین ہو گئی۔ چنانچہ شیر سنگھ، شاہ لاہور سے کہا گیا کہ وہ گلاب سنگھ سے لاسا کے علاقہ جات خالی کر دینے کی درخواست کرے۔ اس امر کی تکمیل کے لئے آخری تاریخ ۱۰ دسمبر ۱۸۴۱ء مقرر کی گئی۔ اور سکھوں کے مورخ کیپٹن کننگھم کو جو انگریزی ایجنٹ کا اسسٹنٹ تھا۔ بدیں غرض منتخب کیا گیا۔ کہ وہ تبتی علاقہ کے تخلیہ کا شاہدہ کرنے کے لئے لداخ جائے۔ لیکن قبل اس کے کہ زور آور سنگھ کو یہ احکام ملے۔ اس پر مصیبت کا طوفان نازل ہو چکا تھا۔

زور آور سنگھ کی ہلاکت کے بعد ڈوگرہ فوج ناقابل بیان سختیوں کا نشانہ بنی۔ اور اس کا معتدبہ حصہ نیست و نابود ہو گیا۔ چنانچہ ۵۰۰۰ آدمیوں میں سے ۱۰۰۰ سے زائد نفوس جانبر نہ ہو سکے۔ لداخ میں بلکی

رعیت بہت زیادہ تھی۔ لہذا انہوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور تبتیوں نے ان کی امداد خاطر فوج روانہ کی۔ مگر گو زورآور سنگھ ہلاک ہو چکا تھا اور کامل فوج نیست و نابود ہو چکی تھی۔ گلاب سنگھ مایوس نہ ہوا۔ بلکہ رنج والم نے اسے بیش از بیش کوشش پر محمول کیا۔ فی الفور ایک جدید فوج مرتب کی گئی۔ اور دیوان ہری چند اور وزیر رتنو کی سرکردگی میں ارسال کردی گئی۔ یہ فوج زورآور سنگھ کی فوج سے بھی بڑھکر منظم تھی۔ ڈوگرہ سپاہ کی آمد پر تبتی فوج شیوک کی طرف بھاگ نکلی اور ڈوگرہ سپاہیوں نے لیہ پر قبضہ کر لیا۔

تاہم اہل تبت بغیر جنگ کئے قبول اطاعت کے لئے تیار نہیں تھے چنانچہ حکام لاسا نے ۳۰۰۰ آدمیوں پر مشتمل ایک زبردست تبتی فوج لداخیوں کی امداد میں روانہ کی۔ محارب فریق ڈورنگکٹسی کے مقام پر جمع ہوئے جہاں تبتیوں نے اپنے اردگرد خندق بنا رکھی تھی۔ ڈوگروں نے یہ محسوس کیا کہ تبتیوں کی پوزیشن کا حملہ سے سر کرنا مشکل ہے۔ ایک دریا کی ناکہ بندی کردی۔ اور ان کی خندقوں میں طغیانی برپا کر کے انہیں اپنے مستحکم مقامات سے باہر نکل آنے پر مجبور کر دیا۔ خندقوں سے باہر ایک سخت لڑائی ہوئی۔ جس میں تبتیوں کو شکست ہوئی۔ ان کا جرنیل گرفتار کر لیا گیا۔ اور اسے وہیں مار دیا گیا۔ اس پر حکومت لاسا صلح جوئی پر رضامند ہو گئی۔ اور حسب ذیل معاہدہ پر دستخط ثبت ہوئے۔

"ہم ملک لاسا کے آفیسر اولاً کالون سوکووالا اور ثانیاً بخشی بسجو سلطنت چین کی فوج کا کمانڈر ایک فریق کی طرف سے اور دیوان

ہری چند اور وزیر متو راجہ گلاب سنگھ کے نمائندے دوسرے فریق کی طرف سے۔ باہمی سمجھوتہ کرتے ہیں۔ اور بھگوان کے روبرو اس امر کی قسم کھاتے ہیں۔ کہ راجہ گلاب سنگھ اور شہنشاہ چین اور لاما گورو صاحب لاسا والا کے مابین دوستی اور اتحاد ہمیشہ ہمیشہ تک قائم رکھا جائیگا۔ اور اسکی تعمیل کی جائے گی۔ ہر اس چیز کی خلاف ورزی نہیں کی جائیگی جسکی بھگوان کی موجودگی میں ہم اتفاق رائے کرتے ہیں۔ ہمارا ان ممالک سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ جو سرحد لداخ پر واقع ہیں۔ ہم شال پشم اور چائے کی تجارت بدستور سابق کے مطابق لداخ کے راستے جاری رکھیں گے۔ اور اگر شری راجہ کا کوئی دشمن ہمارے علاقہ میں آئے اور راجہ کے خلاف کچھ کہے تو ہم اسے بالکل درخور اعتنا نہیں گردانیں گے۔ اور جو تاجر لداخ سے آئیں۔ انہیں ہماری جانب سے کوئی دقت لاحق نہیں ہوگی۔ سرحد لداخ کے تقرر کے متعلق اور شال پشم اور چائے کی تجارت خاطر سڑک کے کھلے رکھنے کے بارہ میں ہم اسی طریق سے عمل پیرا ہوں گے۔ جس کا تصفیہ اس مجلس میں ہو چکا ہے ہم اپنے الیشور کے ساتھ گائیتری کے ساتھ اور دیاسی کے ساتھ کئے معاہدہ کی تعمیل کریں گے۔ وزیر میاں خوشحال جو اس امر کا شاہد ہے"۔

(محررہ ۲ اسوج ۱۸۹۹ ب مطابق ۱۵ اگست ۱۸۴۲ء)

معاہدہ کا تبتی خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"ہم کالون سرخان اور تحقیقاتی آفیسر ڈپن پیشی، تقدس مآب، دلائی لاما اور اس کے حکام کے نام میں اور شری خالصہ جی اور شری مہاراجہ لالہ گلانا

نمائندہ خشر شاگ غلام محمد بو ساطت مترجم امیر شاہ دگلاب سنگھ کے نام ہیں لداخ پہنچے ہیں۔ اور ہم نے معاہدہ صلح کی شرائط پر بحث کی ہے ہر دو معاہد فریقوں نے تمام سابقہ اختلافات اور عناد کے ملیا میٹ کر دینے کا اور ہر دو سلاطین کے مابین کی دوستی اور اتحاد کو ہمیشہ تک کے لئے بحال رکھنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ شری مہاراجہ گلاب سنگھ اور شری گور ولامہ لاسا کے مابین یہ معاہدہ صلح منتقین کر لیا گیا ہے اور مستقبل میں ہر دو فریقوں کے مابین اپنی اپنی سرحد کے متعلق عداوت کی کوئی وجہ نہیں ہو سکے گی۔ شری مہاراجہ صاحب نے بھگوان کو گواہ رکھتے ہوئے اس امر کا اعلان کیا ہے۔ کہ وہ اس معاہدہ کے شرائط سے انحراف نہیں کریگا۔ اس بات پر اتفاق رائے کیا گیا ہے۔ کہ ہر دو بھائی یعنی شاہان لداخ اور ملکہ لداخ امن و امان سے رہیں گے۔ اور کسی سازش میں شریک نہیں ہونگے علاوہ ازیں ہر دو اقوام کے مابین دوستانہ تعلقات کی ترقی میں کوشش کریں گے۔ لداخی اپنا سالانہ خراج لفدس آب دلائے لاما اور اس کے وزرار کی خدمت میں حسب دستور باقاعدگی کے ساتھ پیش کرتے رہیں گے۔ اور شری مہاراجہ صاحب اس انتظام میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اجناس کی باہمی درآمد و برآمد پر کوئی پابندی عاید نہیں کی جائے گی۔ مثلاً چائے اور کپڑا وغیرہ اور تجارتی کاروبار کو قدیم سے مروج طریق پر مجاز رکھا جائیگا۔ لداخی۔ تبتی حکومت کے تاجروں کو سامان رسائی کے جانور مہیا کیا کریں گے۔ اور ان کی رہائش کا انتظام حسب دستور کرتے رہیں گے۔ اور تبتی لوگ ان لداخیوں سے بھی یہی سلوک روا رکھیں گے۔ جو تبت میں سالانہ خراج لے کر آئیں۔ اس بات

بہ اتفاق رائے کیا گیا کہ لداخی۔ تبتی حکومت کو کسی تکلیف کا موقع نہیں دیں گے۔ ہم اس معاہدہ کا ایشور کو شاہد گردانتے ہیں۔ جس کی رو سے شری مہاراجہ صاحب اور لاسا حکام کے مابین تعلقات اسی طرح برقرار رہیں گے۔ جیسے کہ وہ ایک کنبہ کے ارکان ہیں۔ اس معاہدہ کی تکمیل ماہ اسوج ۱۸۹۹ ب کی دوسری تاریخ کو عمل میں لائی گئی ہے۔

چونکہ یہ معاہدہ گلاب سنگھ اور حکومت لاسا کے مابین تھا۔ اور یہ دو کے آقاؤں پر عائد نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے دربار لاہور اور شہنشاہ چین کے نام میں ایک مزید معاہدہ کا انعقاد عین بعد عمل میں لایا گیا ذیل میں تبتی زبان سے معاہدہ مذکور کا ترجمہ ثبت ہے۔

ان مبارک ایام میں ہم شری مہاراجہ صاحب کے آئینی دربار گلاب سنگھ کے مغربی علاقہ کا کمانڈر انچیف اور ہم اعتماد الدولہ نظام الملک شیخ غلام محی الدین صوبیدار (یعنی گورنر کشمیر) نام کے معتبر منتخب اور دیانتدار اور وفادار آفیسر باہم جمع ہو کر ۲ اسوج ۱۸۹۹ بکرم کو لاما گورو صاحب لاسا کے آفیسروں سے جن میں کالون ایک کالن سوکان اور دوسرا دپن شا بھوتی بخشی لداخ میں ہیں ملاقی ہوئے۔ اور تصفیہ اختلافات کے بعد حسب سابق ایک معاہدہ حسب ذیل مفہوم پر مشتمل ثبت ہوا۔

ا۔ جبکہ بھگوان کی موجودگی میں جنگ سے پیدا شدہ روح نفاق جو درمیان میں حائل ہو چکی تھی۔ دلوں سے کامل طور پر زائل ہو چکی ہے۔ اور فریقین کو اب کوئی شکایت باقی نہیں رہی مستقبل میں کسی وجہ سے کبھی ابدالآباد تک اس دائ اتحاد اور دوستی میں سر موٗ

تجاوز نہیں ہوگا - اور اس میں کسی طرح کا انشقاق و دفع نہیں ہوگا - جو شاہ سرزمین (شیر سنگھ) اشری تھا) راجہ صاحب راجہ راجگان راجہ صاحب بہادر اور خاقان (شہنشاہ) چین اور لاما گورو صاحب لاسا کے مابین منعقد ہوئی ہے - ہم سرحد لداخ کی حدود پر قابض رہیں گے - اور اس کا ہمسایہ علاقہ قدیم دستور کے مطابق اس سرحد کے ماتحت رہے گا - اور قدیمی سرحد کے درے کے علاقہ میں کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوگی - اور اس پر کسی طرح کا تجاوز نہیں ہوگا - ہم اپنی اپنی سرحدوں پر قائم رہیں گے - اور ہماری دوستی کے تعلقات اور مشترکہ مفاد کا رابطہ دن بدن مستحکم ہوتا رہے گا - اس معاہدہ کے شاہد مختلف قسم کے لوگ ہیں - راجہ زادگان کے شامل حال اگر وہ دیانتدار، وفادار اور اطاعت شعار رہیں بیش از بیش توجہ رہے گی - لاسہ کے تاجروں سے جب وہ حسب دستور لداخ آئیں - مستحسن سلوک کیا جائیگا - اور انہیں سامان رسانی اور مزدوری کے ضمن میں بیگار کی امداد مہیا کی جائے گی - اگر راجگان لداخ - لاما گرو صاحب لاسہ کو معمول کے تحائف بھیجنا چاہیں - تو اس سے ہمارا کوئی سروکار نہیں ہوگا - اور ہم مداخلت نہیں کریں گے - دوسری جانب سے بھی انتظامات دستور قدیم کے مطابق جاری رہیں گے - اور تاجر جو علاقہ جانتھان (چنگ تھانگ) کو جانا چاہیں اُن سے مستحسن سلوک روا رکھا جائیگا - اور دستور سابق کے مطابق انہیں بیگار مہیا کی جائیگی - اور ان لوگوں سے کسی قسم کی مداخلت روا نہیں رکھی جائیگی - لداخ کے تاجر کسی حالت میں بھی جانتھان (چنگ تھانگ) کی رعایا سے مداخلت نہیں کریں گے۔"

محررہ ۲۵ ر اسوج سنہ ۱۸۹۹ بکرم

چھٹا باب

گلاب سنگھ اور سکھ جنگ

اس سرگزشت نامہ کی غرض سے یہ ضروری نہیں۔ کہ انگریزوں اور سکھوں کی جنگ اور مہم ستلج کے وجوہات بیان کیئے جائیں۔

۸ نومبر ۱۸۴۵ء کو لال سنگھ نے دربار لاہور کے وزیراعظم کا منصب اختیار کیا۔ اور تیج سنگھ کو فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ سکھ سپاہیوں نے تیج سنگھ کے تقرر کو پسند نہ کیا۔ اور انہوں نے گلاب سنگھ کی کمان کے لئے احتجاج کیا۔ لیکن حکمران جموں پہاڑی علاقہ میں گیا ہوا تھا۔ اور لال سنگھ اسباب کی فکر میں تھا۔ کہ اسے افغانی سرحد پہ بھیجا جائے۔ سکھوں نے دریائے ستلج کو عبور کیا۔ کیونکہ انہیں یقین ہو چکا تھا۔ کہ انگریزی حکومت پنجاب کا الحاق کر لینا چاہتی ہے مہم جس کا افتتاح کیا گیا۔ اتنی آسان نہیں تھی۔ جتنا کہ انگریزی حکومت توقع کر رہی تھی۔ کھلے میدانوں میں سکھوں نے اپنا غلبہ ثابت کیا

لیکن اگر انہوں نے فتوحات کی اُمید باندھی تھی۔ تو جلد ہی ان کے خواب درہم برہم ہو گئے۔ اگر کمان کی یک جہتی اور جد و جہد کا زور سکھوں کے شامل حال ہوتا۔ تو انگریزی سلطنت کو زبردست خطرہ کا سامنا ہو جاتا۔ واحد آدمی جو اس وقت سکھوں کی مطلوبہ رہنمائی کر سکتا تھا۔ گلاب سنگھ تھا۔ لیکن بدقسمتی سے اپنے ذاتی تجربہ اور اس حشر کے مشاہدہ کے بعد جو اس کے باقی خاندان کا ہوا گلاب سنگھ دربار لاہور کی امداد کا خواہاں نہیں تھا۔ جونہی کہ جنگ کا اعلان ہوا۔ دربار لاہور نے گلاب سنگھ کو حکم دیا۔ کہ وہ پشاور کو چلا جائے۔ اور سرحد کی حفاظت کرے۔ مگر جواب میں گلاب سنگھ نے رانی سے اصرار کیا۔ کہ وہ انگریزوں کے معاملات میں دخل نہ دے۔ گلاب سنگھ نے کونسل آف ایجنسی کو حسب ذیل کا خط لکھا:

"انگریزی حکام نے معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اور نہ ہی انہوں نے وعدہ خلافی کی ہے۔ لہذا ان سے بلا وجہ جنگ کرنا غلطی ہے۔ گو تم نے میرے بھائیوں اور بیٹوں کو بلاغذر جان سے مار دیا۔ جو شہنشاہ مرحوم کی وفادار رعایا اور ہوا خواہ ملازم تھے۔ لیکن میری وفاداری موجودہ ملوکیت سے متنفر نہیں ہوئی۔ میں تمہارے حق پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ کہ تم بادشاہ کے نام میں جو چاہو اپنے علاقہ میں کرو۔ لیکن انگریزوں کے معاملات میں دخل نہ دیجیئے گا"

مگر اس مشورہ کی پرواہ نہ کی گئی۔ اور ایجنسی اندھا دھند لڑائی میں مستغرق ہو گئی۔ جب یہ معلوم ہوا۔ کہ جھم وقت آمیز ثابت ہو گی

اور حکومت پنجاب کو ہاتھ سے نہ دینے کے لئے پے در پے کوشش در کار ہوں گی۔ تو ایجنسی نے گلاب سنگھ کو آنے اور حکومت کا چارج بحیثیت وزیر اعظم لینے کی دعوت دی مگر گلاب سنگھ اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے کہ ابھی اسکی عملی مداخلت کا وقت نہیں آیا۔ یاترا کی خاطر تریکوٹی چلا گیا۔ اور وہاں سے ریاسی کی طرف نکل گیا۔ اس کا عذر یہ تھا۔ کہ خود رانی نے اسے طلب نہیں کیا۔

جب مہم سکھوں کے خلاف جاری تھی۔ اور اسکی واپسی کا مطالبہ کامل ہم آہنگی سے ہونے لگا۔ تو گلاب سنگھ لاہور پہنچ گیا۔ جب اسکی فوجیں لاہور کے قریب پونچیں۔ تو رانی نے بھائی رام سنگھ اور دیوان دینا ناتھ کو اس کے استقبال کے لئے۔ اور اسے دار الخلافہ میں پونچانے کے لئے بھیجا۔ ۲۷ جنوری ۱۸۴۶ء کو گلاب سنگھ نے وزیر اعظم کا منصب سنبھالا۔ گلاب سنگھ نے سکھ لیڈران کی ملامت کی۔ کہ انہوں نے ایسی مہم کو بغیر خانگی اتحاد کے حصول کے اختیار کیا ہے اور اس امر کا مشورہ دیا۔ کہ جتنی باعزت صلح ہو سکے۔ حاصل کر لی جائے۔ پیشتر اس کے کہ معاملہ ناقابل تلافی بن جائے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے اس نے انگریزی حکام سے فوراً گفت و شنید شروع کر دی۔ گورنر جنرل اور انگریز فوجی سرداروں نے جو سکھ فوج کی طاقت اور قابلیت کا کمتر اندازہ قائم کئے ہوئے تھے۔ گلاب سنگھ کی تصفیہ کی کوشش کو خوش آمدید کہا۔ انگریزی حکام کا یہ خیال کہ وہ حسب مرضی دربار لاہور سے صلحنامہ لکھوا لیں گے۔ اس حقیقت کے معلوم کر لینے پر کافور ہو گیا۔ کہ انہیں ایک مشکل مہم کا سامنا ہو رہا ہے

انگریزوں نے گفت وشنید کی رضامندی کے ضمن میں شرط قائم کی کہ فوج کو توڑ دیا جائے۔ لیکن گلاب سنگھ اس شرط سے اتفاق کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ مسٹر کننگھم سکھ لیڈروں کو اس خفیہ مفاہمت کا ملزم گردانتا ہے۔ کہ جنگ کے آغاز پر میدان جنگ میں موجود فوج کو ترک کر دیا جائیگا۔ دریائے ستلج کے عبور کے موقع پر مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ اور لاہور کی سڑک کھلی رہنے دی جائے گی۔ مگر سکھ افسروں کے خلاف اس ذلت آمیز غداری کے الزام کا ثبوت قطعاً نہیں مل سکتا۔

۱۰ فروری ۱۸۴۶ء کو جنگ سبراؤں واقع ہوئی۔ یہ ایک انتہا درجہ کی خونخوار جنگ تھی۔ جس کا سامنا انگریزوں کو ہندوستان میں ہوا۔ سکھوں نے بےخوف مردانگی سے لڑائی کی۔ اور انگریزی فتح گو قطعی تھی۔ لیکن بالآخر انہیں مہنگی پڑی۔ اُن کے ۳۲۰ آدمی مارے گئے۔ اور ۲۰۶۳ زخمی ہوئے۔

اس واقعہ کے بعد انگریزوں سے گفت وشنید کرنے کے لئے گلاب سنگھ کو کامل اختیارات دے دیئے گئے۔ اس نے لالہ چوری مل ہرکارہ ہاسکی اور لالہ انت رام نام کے تین سفیر انگریزی گورنر جنرل کے کیمپ میں روانہ کئے۔

انگریزوں نے ایسے نازک موقع پر گلاب سنگھ کی رضاجوئی کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔ اس کی فوج جموں کی توں تھی۔ اور اگر وہ اپنے ذرائع اور طاقت کو دربارہ لاہور کی مرضی پر رکھ دینے کا فیصلہ کر دیتا۔ تو نتیجہ بھی مشکوک ہو جاتا۔ علاوہ ازیں اس بات

کا چرچا ہونے لگا۔ کہ گلاب سنگھ نے مشورہ دیا تھا۔ کہ اگر سکھ کھلی اور مرکوز لڑائیوں کے ذریعہ سے جبری نتائج کے حصول کی بجائے دریائے ستلج کو چند چیدہ سوار رجمنٹوں کے ساتھ عبور کر لیتے۔ اور دہلی کے مقام پر خیمہ زن ہونے کی کوشش کرتے۔ تو انگریزوں کی پیشقدمی روکی جا سکتی تھی۔ انگریزی حکام جن پر اس مشورہ کی اہمیت واضح تھی۔ طبعی طور پر خواہاں تھے۔ کہ گلاب سنگھ کی رضا جوئی حاصل کی جائے۔ اور جب گلاب سنگھ کے سفراء انگریزی کیمپ میں پہنچے۔ تو سر ہنری لارنس نے جسکی گلاب سنگھ کے ساتھ دوستی مسلم تھی۔ ذیل کا خط بھیجا:۔

"مہربان راجہ صاحب و پیارے دوست! از راہ کرم میری دلی دعائیں اور قلبی احترامات قبول فرمائیے۔ مجھے آپ کا عنایت نامہ ملا۔ مجھے معاملہ کی وضاحت کرنے کی اجازت دیجئے۔ میں اس تمام مضمون کی داد دیتا ہوں۔ جو آپ نے عقل اور دانش کے ساتھ سپرد قلم کیا ہے۔ گو باغیوں اور غیر باغیوں کا معلوم کرنا مشکل ہے۔ انگریزی حکومت دربار لاہور کے روبرو تحمل کا ثبوت دینا چاہتی ہے۔ ہماری حکومت دربار لاہور کی طوائف الملوکی اور بدنظمی پر قطعاً مسرور نہیں ہے۔ کمپنی کا منشا صرف باغیوں کو سزا دینا ہے۔ تاکہ مستقبل میں غلط کاریوں کا اعادہ نہ ہو سکے میں نے صورت حالات کی تشریح انتظام سے کر دی ہے جسے بہ خوشی آپ کا ذکر آپ سے کریگا۔ تاخیر کی صورت میں معاملات شدید

بار تو ہو جائینگے۔ آپ کو معلوم ہے۔ کہ جتنی دفعہ سکھ انگریزوں سے صف آرا ہوئے۔ انہیں شکست ہوئی۔ اور اگر اب بھی انہیں سزا نہ دی گئی۔ اور دوبارہ اس قسم کی ہلچل رُونما ہوئی۔ تو یہ صورت دربار لاہور کے لئے نہایت زبون ثابت ہوگی۔ مجھے یقین ہے۔ کہ آپ اس خط سے معلوم کر لیں گے۔ کہ رونما شدہ واقعات کے باوجود ہمارے دلوں میں دربار لاہور کے لئے وہی احساس اور ہمدردی موجود ہے۔ مجھے اُمید ہے۔ کہ آپ مجھے ہمیشہ عنایت نامے اور دوستانہ خطوط لکھتے رہیں گے"۔

یہ مراسلہ مدبرانہ مراسلہ تھا۔ جس کا منشا گلاب سنگھ کو انگریزی حکومت کی ذاتی دوستی کا یقین دلانا تھا۔ اور اس نامہ و پیام میں حکام نے کسی تجویز کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لی۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے دربار لاہور سے ہمدردی کا اظہار کیا ہو۔ لیکن گلاب سنگھ کے تعاون کے حصول کے لئے دوسرے سوال پس پردہ زیر بحث لائے جا رہے تھے۔ جیسا کہ ذیل کے خط سے ظاہر ہوگا۔ جو سر ہنری لارنس نے دو دن بعد یعنی ۱۳ فروری ۱۸۴۶ء کو تحریر کیا۔

"مہربان راجہ صاحب اور پیارے دوست۔ احترامات قبول فرمایئے۔ آپ پر واضح ہو۔ کہ میں آپ کو ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں۔ جو آپ کے انتہائی بہبود کا باعث ہوگی۔ مجھے اُمید ہے۔ کہ آپ مجھ سے مذکورہ بات ذاتی طور پر سننے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے۔

ضرور تشریف لائیے۔ اور بلا تاخیر آ جائیے

.... مجھے امید ہے۔ کہ آپ

مجھے محبت آمیز خط سے یاد فرمائیں گے"۔

اس امر کے بتلائے جانے کی ضرورت نہیں۔ کہ یہ خفیہ اور مخفی خط ایک ایسی دعوت پر مشتمل تھا جس کی رو سے ان تجاویز پر غور کیا جائے۔ جو گلاب سنگھ کو دربار لاہور کی ہوا خواہی سے علیحدہ کر سکیں۔ وہ مخفی تجاویز جو لارنس گلاب سنگھ کے سامنے رکھنا چاہتا تھا۔ یہ تھیں۔ کہ اسے خود مختار تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور علاقہ کشمیر کو اس کی مملکت سے ملحق کر دیا جائیگا۔ بشرطیکہ وہ دربار لاہور کی امداد سے دستکش ہو جائے۔ چنانچہ ایک اجتماع منعقد کیا گیا۔ اور جب لاہور سے صلح نامہ کے متعلق عملی تجاویز پر بحث ہو رہی تھی۔ لارنس گلاب سنگھ کو پرائیویٹ گفتگو کے لئے ایک طرف لے گیا۔ جو کچھ طے پایا۔ اس کا لب لباب دیوان کرپارام کے الفاظ میں جو گلاب سنگھ کا ایک اعتباری ملازم تھا۔ اور بعد میں جموں اور کشمیر کا وزیر اعظم بنا حسب ذیل ہے۔

"لارنس نے گلاب سنگھ کو اسکی دربار لاہور کے ساتھ کی مشکلات کو یاد دلایا۔ کہ کیونکر وہ اپنے بھائیوں اور بھتیجے کر سے محروم کیا گیا۔ اس طوائف الملوکی میں جو رنجیت سنگھ کی وفات پر واقع ہوئی۔ اور اس شخص پر اظہار تعجب کیا جس کا ثبوت راجہ دے رہا تھا۔ لارنس نے گلاب سنگھ کو بتلایا۔ کہ گورنر جنرل نے اسے پہاڑی علاقہ دینے کا وعدہ

کیا ہے۔ اور ملک کشمیر بھی اس کے بعد کہ وہ حکومت پنجاب سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اور یہ کہ گلاب سنگھ کو خود مختار حکمران تسلیم کر لیا جائیگا"

چونکہ گلاب سنگھ نے کہا۔ کہ اگر حکومت لاہور نے اس کے بھائیوں اور بھتیجے سے برا سلوک روا رکھا۔ تو بالآخر وہ دربار لاہور کی رعایا تھے۔ اور کہ یہ الزام کسی صورت میں بھی دلیپ سنگھ پر عائد نہیں ہو سکتا۔ جو اس وقت محض بچہ تھا۔ اور یہ کہ چونکہ اسکی حیثیت سفیر کی ہے۔ وہ خود اپنے املاک کے متعلق گفت و شنید نہیں کر سکتا۔ اس جواب کی اطلاع گورنر جنرل کو کی گئی۔ اور اس معاملہ کو سردست نظر انداز کر دیا گیا۔ دربار لاہور کے نام پر گفت و شنید جاری رکھی گئی۔ اور گلاب سنگھ اس قابل ہوا۔ کہ اپنے بادشاہ کے لئے وقتی حالات کے ماتحت معقول اور معتدل صلحنامہ حاصل کر سکے۔

اس عہدنامہ کی رو سے دلیپ سنگھ حکمران تسلیم ہوا۔ لیکن اس میں شرط تھی کہ بیاس اور ستلج کے مابین کا علاقہ انگریزوں کے حوالے کر دیا جائے اور ۵۰۰۰۰۰ پونڈ لطور تاوان کے ادا کئے جائیں۔ ان شرائط سے گلاب سنگھ نے دربار لاہور کی طرف سے اتفاق کیا۔ اور ۲۰ فروری ۱۸۴۶ء کو انگریزی فوج لاہور پہنچ گئی۔ اس صلح نامہ کی گفت و شنید کی کامیابی نے لال سنگھ کو آتش بپا کر دیا۔ اور اس نے ایجنٹ کو ترغیب دی۔ کہ وہ گلاب سنگھ کو منصب سے خارج کر دے۔ اور خود اسے وزیر بنائے۔ اس موقع پر گلاب سنگھ نے اپنی حالت کی نزاکت کو محسوس کیا۔ اس نے خود مختار راجہ کی انگریزی تجویز کو قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ دربار لاہور کا وفادار بنا رہا۔ لیکن بد چلن ایجنٹ اور اسکی محبوبہ باوجود اسے خطرہ کے وقت گلاب

کر لینے کے، خاندان جموں کے خلاف ایسی شدید عداوت کو دلوں میں لئے ہوئے تھے۔ جو دھیان سنگھ، سوچیت سنگھ اور ہیرا سنگھ کے قتل کی ذمہ دار تھی۔ چنانچہ لال سنگھ کے اس منصب پر فائز ہونے سے اسے وزارت سے محروم کر دیا گیا۔

لال سنگھ نے صلحنامہ منعقدہ قصور کو قبول کرتے ہوئے احتجاج کیا کہ میں ۵۰۰۰۰ پونڈ کے مطلوبہ نقد تاوان ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ اور اس نے اس کے عوض جموں اور کشمیر کے علاقے پیش کئے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ گلاب سنگھ اپنی سلطنت سے محروم کر دیا جائے۔ اور انگریزوں کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ یا تو وہ کشمیر پر قبضہ کر لیں۔ جو اس وقت ایک امر محال تھا۔ اور یا وہ گھٹیا تاوان قبول کر لیں۔ لال سنگھ کی یہ پیش کش حکمران جموں کے موافق تھی۔ اور گلاب سنگھ کو جموں اور کشمیر کا خود مختار حکمران بنانے کی تجویز کی تجدید کر دی گئی۔ تاہم اب کے اس تجویز پر ایک شرط عائد کر دی گئی۔ کہ زر تاوان خود گلاب سنگھ ادا کرے۔ جو لال سنگھ کی چالاکی کی بدولت اس کے اپنے علاقہ پر فرض قرار دیا گیا۔

گلاب سنگھ نے رقم کی ادائیگی قبول کر لی۔ اور گورنر جنرل نے اپنی طرف سے اُسے خود مختار حکمران تسلیم کر لیا۔ جب ایجنٹ رانی کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ تو اس نے دیوان دینا ناتھ۔ فقیر نورالدین اور بھائی رام سنگھ کو مسٹر ہنری لارنس کے پاس بھیجا اور اسے جتلایا۔ کہ اگر گورنر جنرل کو

عملی جامہ پہنایا گیا۔ تو وہ براہ راست ملکہ وکٹوریہ کے ہاں اپیل کریگی۔ مگر ایجنٹ کی اس مداخلت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور صلحنامہ لاہور پر اسی صورت میں دستخط ہو گئے۔ جس میں کہ گلاب سنگھ نے گفت و شنید کی تھی۔ دربار لاہور سے جو عہد نامہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو ہوا۔ اس میں ایک فقرہ کا مفہوم حسب ذیل تھا۔

"راجہ گلاب سنگھ نے دربار لاہور اور انگریزی حکومت کے مابین تعلقاتِ دوستی کی بحالی کی خاطر جو خدمات کی ہیں ان کے صلہ میں مہاراجہ دلیپ سنگھ راجہ گلاب سنگھ کی خود مختار ملکیت کو ایسے علاقوں اور پہاڑی اضلاع میں تسلیم کرتے ہیں۔ جو راجہ گلاب سنگھ مذکور کو اس کے اور انگریزی حکومت کے درمیان کے علیحدہ معاہدہ کے ذریعہ دئے جائیں۔ بشمول ان مضافات کے۔ جو راجہ مذکور کے قبضہ میں مہاراجہ کھڑک سنگھ کے زمانے سے چلے آرہے ہیں۔ انگریزی حکومت بھی راجہ گلاب سنگھ کے نیک سلوک کے صلہ میں اس کی خود مختاری کو ان علاقوں پر تسلیم کرتی ہے۔ اور اسے انگریزی حکومت سے علیحدہ معاہدہ کا حق عطا کرتی ہے"

۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کو عہد نامہ لاہور کی دفعات ... مہاراجہ گلاب سنگھ کو اپنے جموں کے علاقے ... امرتسر ...

کئے۔ جسکی رو سے وہ مہاراجہ جموں اور کشمیر بنا۔ چنانچہ وادی کشمیر جو دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اور ہندو عقائد کی رو سے متبرک خیال کی جاتی ہے۔ پھر ہندو حکمرانوں کے تسلط میں آگئی۔

گلاب سنگھ کے ہاتھ میں کشمیر کی نام نہاد' فروخت کو ان لوگوں نے جواب محسوس کرتے ہیں۔ کہ یہ خوشگوار اور معتدل وادی انگریزی نوآبادی کے طور پر استعمال ہو سکتی تھی۔ حال میں ایک احمقانہ اور کوتاہ نظر پالیسی قرار دیا ہے۔ مگر اس سوال کی بحث میں تاریخی واقعات کو بہت غلط سمجھا گیا ہے۔ یہ خیال ہے۔ کہ کشمیر کو ایک معمولی رقم کیخاطر ایک حکومت نے بیچ دیا۔ واقعات کی تضحیک اور تاریخ کی تغلیط ہے۔ چنانچہ ذیل کا خط جو لارڈ ہارڈنگ نے لارڈ ڈالہوزی کے نام اپنی کارروائی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے لکھا۔ ان نظریوں کو تفصیل سے پیش کرتا ہے جنہوں نے گورنر جنرل کو صلح نامہ امرتسر کے انعقاد پر مجبور کیا۔ لارڈ ہارڈنگ رقمطراز ہے:۔

"کوائف لاہور کے نظم ونسق کی خاطر گلاب سنگھ کبھی اس کا وزیر نہیں رہا۔ ابتداء ۱۸۴۵ء میں جواہر سنگھ نے فوج جموں پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ گلاب سنگھ نے اپنے بچاؤ کے قابل ہونے سے مایوس ہو کر خود کو پنچائتوں کے ہاتھ میں ڈال دیا اور اسے بحیثیت قیدی

کے لاہور لایا گیا۔ وہاں اس کے ساتھ ازبس سختی کا سلوک روا رکھا گیا۔ اور ابد میں جب کہ نونہال نے اسے وزارت کا منصب پیش کیا۔ اس نے اس پیشکش کا پسے در پے انکار کیا۔ جب حملہ شروع ہوا۔ تو گلاب سنگھ جموں میں رہا۔ اور اس نے ہمارے خلاف کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ اپنے علاقوں پر مستقل قبضہ حاصل کرنے کی شرط پر اس نے ہماری ہوا خواہی کا ذمہ لیا۔ یہ شرط نہ تو منظور کی گئی اور نہ ہی نامنظور۔ اس لئے کہ با اختیار حکومت نے اس امر کو مناسب نہ سمجھا۔ بحالیکہ افواج ایک دوسرے کے سامنے موجود تھیں۔ کہ شرائط کی منظوری سے نتیجہ کو مشکوک بنا دیا جائے میں نے اُسے محض اعلان دسمبر کا حوالہ دیا۔ جبکہ سکھوں نے ستلج عبور کیا۔ تاہم اعلان مذکور کی شرائط کی رو سے اس بات کی توضیح کر دی گئی۔ کہ اگر گلاب سنگھ ہمارے خلاف کسی قسم کا حصہ نہ لے۔ تو اسکی خواہشات کو اس وقت ملحوظ رکھا جائے گا جب کہ پنجاب میں امن ہو جائے تو یہ امر بدیہی تھا۔ کہ اسے دربار لاہور کے تشکر یا الفت کی کوئی وجہ نہیں تھی جس کے احکام اور سازشوں کے ماتحت اس کے اپنے خاندان کا کم و بیش کلی طور پر استیصال کر دیا گیا تھا۔ اس کے مقبوضات چھین لئے گئے تھے۔

اور اس کے لڑکے قتل کر دیئے گئے تھے۔ ساری مہم کے دوران میں گلاب سنگھ دیدہ دانستہ نہائی اختیار کئے رہا۔ اور واحد پہاڑی سپاہی تک نے ہم پر گولی نہیں چلائی حتیٰ کہ حکومت کو یہ حق حاصل تھا۔ کہ اس کے ساتھ نیک سلوک روا رکھے۔ گلاب سنگھ کو درخور توجہ سمجھنے میں حکومت کا اپنا مفاد مضمر تھا جس کی رو سے سکھ سلطنت کا کمزور کیا جانا لازمی تھا۔ اور پہاڑی علاقہ کو میدانی علاقہ سے علیحدہ کرنا ضروری تھا"

تو کیا ہمیں صحیح بات کی تعمیل سے رک جانا چاہیئے تھا اور بہتر سے طے شدہ امر کو خیرباد کہہ دینا چاہیئے تھا۔ اس لئے کہ دربار لاہور نے اس حقیقت کو جانتے بوجھتے ہوئے کہ گلاب سنگھ نے ان کے جرم میں حصہ نہیں لیا۔ ایک خاص غرض کی خاطر اس کی خدمات حاصل کیں۔ بلکہ وہ ہماری نگاہ میں بھی نہایت مستحسن شخصیت تھا، کیا وہ وزیر نہیں تھا۔ اور کیا چار دوسرے کمشنر شرائط صلح کے تصفیہ کے لئے اس کے ساتھ شریک نہیں تھے؟ مدکی اور فیروز شاہ کے واقعات کے بعد رانی نے اس سے لاہور آنے اور اپنی سپاہ کو اس کی امداد پر لانے کی درخواست کی۔ مگر گلاب سنگھ نے لیت و لعل کے جواب دیئے جنگ علیوال کے بعد گلاب سنگھ کو زبردست دعوتیں دی گئیں۔ کیونکہ صرف وہی ان کی رائے میں انگریزوں سے معاملات کا تصفیہ کر سکتا

تھا۔ اس لئے کہ اس نے ان کے خلاف کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ گلاب سنگھ لاہور آیا۔ اور اس نے برسر بازار دربار میں رونما شدہ واقعات کے خلاف احتجاج کیا۔ اس نے تصفیہ کی کوشش کی۔ ذمہ داری اپنے سر لی۔ لیکن رانی سے کہا۔ کہ وہ دستخط کر دے۔ کہ وہ ان شرائط کی پابند ہوگی۔ جن کا فیصلہ وہ اور چار دوسرے کمشنر کریں۔ اسے میجر لارنس کی طرف سے ۱۳ فروری کو تحریری اطلاع دی گئی۔ کہ میں آپ کی اس روش کی داد دیتا ہوں۔ کہ آپ نے ہمارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے۔ اور آپ کے مفاد کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ چنانچہ ۱۴ فروری کے اعلان کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"اس علاقہ کی وسعت کی تعین جس کا حصول مناسب ہو۔ دربار کے روپیہ اور انگریزی سرحد کی حفاظت کے خیال سے کی جائے گی۔"

ان الفاظ کے مفہوم میں ہر ایسا انتظام شامل تھا۔ جو پہاڑی علاقہ کو میدانی علاقہ سے بے نیاز کر دے۔ اور اس انتظام پر جنگ سبراؤں سے پیشتر خوب غور و خوض کر لیا گیا تھا۔ یہ امر ہمیشہ پیش نظر رہا۔ کہ گلاب سنگھ جس کی فوج نے گولی تک نہیں چلائی کے معاملہ اور پوزیشن کو کامل طور سے درخور توجہ گردانا جائے۔ تو پھر اس نے دربار لاہور کے خلاف کونسی غداری کا ثبوت دیا۔ اس نے ہماری اچھی خدمات انجام دیں۔ جسے ہم نے اس وقت

تسلیم کیا جب کہ وہ ابھی سکھوں نمائندہ (کمشنر) نہیں ہوا تھا۔ جب جنگ شروع ہو گئی۔ تو کیا ہمیں اپنی پالیسی ترک کر دینی چاہیئے تھی۔ اور ایسے آدمی کے ساتھ جس نے ہمارے خلاف ہتھیار نہ اٹھائے، بے رُخی کا سلوک کرنا چاہیئے تھا۔ محض اس لئے کہ وہ ہمارے ہیڈ کوارٹر میں دربار لاہور کے خصوصی نمائندہ کے طور پر آیا۔ تاکہ ہم سے تبادلہ خیالات کرے۔ بحیثیت ایسے آدمی کے جوان کے بلا وجہ حملہ میں شامل نہیں ہوا تھا۔ اس کے تحمل کی قدر دانی اس لئے کی گئی۔ کہ اس کا تحمل مطلوبہ پالیسی کے ماتحت تھا۔ اور اس کے خلاف غداری کا الزام ثابت نہ ہو سکا:

مسئلہ انتقال کشمیر کی بحث و تمحیص کے ضمن میں امور ذیل کا ملحوظ خاطر رکھنا بھی ضروری ہے۔

اولاً۔ کشمیر کی قطعاً کوئی فروخت نہیں ہوئی۔ مہاراجہ دلیپ سنگھ اس وقت ایک خود مختار حکمران تھا۔ معاہدہ لاہور کا فقرہ ۱۲ بین طور سے اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ دربار لاہور سے عہد نامہ منعقد ہونے سے پیشتر بھی یہ بات قرار پا چکی تھی۔ کہ دربار لاہور کا راوی اور سندھ کے درمیان کا واگذار علاقہ گلاب سنگھ کے نام منتقل کر دیا جائے گا۔ جو بات لال سنگھ نے کی۔ وہ یہ تھی۔ کہ اس نے جموں و کشمیر اور راوی اور سندھ کے درمیان کے تمام علاقے کمپنی کے حوالے کر دیئے۔ اور اس طرح اس نے لڑائی کا خرچ بالتمام (ل)

اور دوسرے اضلاع جو گلاب سنگھ کی ملکیت تھے۔ ۱۵۰۰۰۰ پونڈ کے مطلوبہ تاوانِ جنگ کے عوض دے گئے۔ اس کارروائی میں اس نے چالاکی سے کام لے کر ایسے علاقہ پر بار عائد کر دیا جس کا وعدہ پیشتر ازیں گلاب سنگھ سے اسکی ان خدمات کے صلہ میں ہو چکا تھا۔ جو اس نے دربار لاہور اور انگریزی حکومت کے مابین تعلقاتِ دوستی کی بحالی کے حصول میں کیں۔ اس امر کا بوضاحت ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ عہدنامہ امرتسر کوئی مستقل شے نہیں ہے۔ بلکہ وہ صلحنامہ لاہور کا ضمیمہ ہے۔ جو اس بات کی وضاحت کئے دیتا ہے کہ کشمیر کو فروخت نہیں کیا گیا تھا۔

ثانیاً۔ اس باب کے گفت وشنید کے متعلق بیان سے ظاہر ہے۔ کہ انتقال کشمیر گلاب سنگھ کی ان کوششوں کی قیمت تھی۔ جو اس نے فوری صلح کے انعقاد کے لئے کیں۔ اور جن کا حصول کوئی آسان امر نہ ہوتا۔ اگر گلاب سنگھ دربار لاہور کے ساتھ ہو جاتا گویا وہ آسانی جو حصول صلح کا امتیازی نشان بنی۔ اس مفاہمت کا نتیجہ تھی۔ جسکی رو سے کشمیر کا وعدہ قبل ازیں گلاب سنگھ سے ہو چکا تھا۔

ثالثاً: اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے کشمیر کا فتح کرنا محال تھا۔ یہ بات یاد رہے۔ کہ ۱۸۴۵ء میں انگریزی سرحد ستلج کا دریا تھا بسلطنت لاہور کا الحاق ابھی عمل میں نہیں آیا

تھا۔ اور اس کے الحاق کا امکان بدوں دو بجز مہم کے مشکل تھا۔ کو سکھوں کو سبراؤں کے مقام پر شکست ہو چکی تھی۔ لیکن خالصہ کی امنگوں نے ابھی شکست کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ اور اگر پنجاب کے الحاق کی کوئی کوشش کی جاتی۔ تو ایک جدید مہم کی ضرورت ہوتی جس کے لئے کمپنی ابھی تیار نہیں تھی۔ انگریزوں کا جنگی مرکز فیروزپور ہونے کی صورت میں پیام رسانی کی لائن پر ایک مخالف پنجاب ہونے کی صورت میں اور لڑائی کی خاطر مستعد سکھوں کی موجودگی میں ۱۸۴۵ء میں یہ امر انگریزوں کے لئے ناممکن تھا۔ کہ وہ تسخیر کشمیر کا کام اپنے ذمہ لیں یا مسخر ہونے کی حالت میں اس پر قبضہ جاری رکھ سکیں تو یہ محض ایک بیہودہ اور بعید از وقت افسوس ہے۔ جو گلاب سنگھ کے حصول کشمیر میں ایک کوتاہ نظر پالیسی کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جس کا مدعا خیر اندیش کمپنی کو محصور کرنا ہو۔

سرا ایضاً: یہ امر ملحوظ رہنا چاہیئے کہ اٹھارہویں صدی میں اور عرصہ طویل تک بعد میں کشمیر کو ہندوستان کا حصہ خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ رنجیت سنگھ کی فتح کشمیر کے وقت تک وہ ایک افغانی صوبہ تھا۔ اور تقسیم پنجاب کے متعلق ان تمام سکیموں میں جو زیر بحث لائی گئیں۔ بہت سی تجاویز ایسی تھیں۔ جن کی رو سے پشاور اور دوسرے علاقے جو اب ہندوستان کا لازمی جزو خیال کئے جاتے ہیں۔ افغان حکمرانوں سے مختص کئے گئے۔ علاوہ ازیں کشمیر کو

اجنبی علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا گورنمنٹ آف انڈیا کو خواہ ہم اس وقت اس کی جانب قومی عقائد منسوب کر دیں۔ اس ضمن میں بھی کوئی وقت لاحق نہیں ہوسکتی تھی۔

خامساً:۔ ایک بڑی غرض جو گورنمنٹ آف انڈیا کے مدنظر تھی۔ یہ تھی کہ سکھ سلطنت کی وسعت اور ذرائع کو تخفیف میں لایا جائے جو اگر ملتان سے گلگت تک توسیع پذیر ہو جاتے۔ تو یقیناً ایک خطرناک طاقت کے مترادف ہوتے۔ سلطنت کے انقسام سے یہ مقصد بھی حل ہو گیا۔

اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو خط لکھتے ہوئے لارڈ ہارڈنگ انتقال کشمیر کی مندرجہ ذیل وجہ پیش کرتا ہے۔ جس سے مندرجہ بالا نقطہ نگاہ کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

"گذشتہ مارچ میں یہ امر ضروری تھا۔ کہ سکھوں کو کشمیر سے محروم کر کے کمزور گردانا جائے۔ کشمیر سے ستلج تک کا فاصلہ ۳۰۰ میل ہے۔ جو نہایت دقت انگیز پہاڑی علاقہ پر مشتمل ہے جو چھ ماہ تک بالکل ناقابل استعمال ہوتا ہے۔ ایک انگریزی فوج کو امداد کے کسی امکان سے ۳۰۰ میل کے فاصلہ پر رکھنا ایک ایسا مشغلہ ثابت ہوتا۔ جس کا صلہ جنگی واسکٹ کا استعمال ہوتا نہ کہ نوابی کا خطاب۔ گورنمنٹ نے ایک ہاتھ سے لے کر دوسرے ہاتھ سے معاملہ کی ضرورت

کے ماتحت دیدیا۔ انکی ابتدائی کی بہادری کے متعلق ہم تری اور لارنس کا ان گذارشات میں گلاب سنگھ کی پوزیشن ملامت کا پہلو ضرور لئے ہوئے تھی۔ لیکن ایک ملکی سردار یا وزیر کا اس قسم کے عیوب سے مبرا ہونا ناممکن تھا۔"

سر جارج کلارک نے جو عرصہ دراز تک گورنر جنرل کا لاہوری ایجنٹ رہا۔ مارچ ۱۸۴۹ء میں سر چارلس نیپیر کو ذیل کا خط تحریر کیا:-

"مجھے ضرورتاً ایک سے زیادہ دفعہ نسبتاً سختی کے ساتھ انگریزوں سے گلاب سنگھ کی وفاداری آزمانے کا موقع ملا ہے میرا عقیدہ یہ ہے۔ کہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جس کا کیریکٹر اس کا نمایاں وصف ہے۔ اور اردگرد کے علاقہ جاتی مقبوضات حکمران کی پوزیشن کی حیثیت سے اس کی ممتاز خصوصیت ہے۔ یہ کہ اس کے تمام مفاد ہماری دوستی پر مشتمل ہیں۔ اور یہ کہ اسے ہمیشہ اس امر کی خواہش ہوگی۔ یا کسی نہ کسی وقت اسے اس بات کی ضرورت پڑے گی کہ ہم دشمنوں کے خلاف اس کے تسلط کی تائید کریں۔ ان کی زیادتیاں خواہ چینی یا گورکھا اس کے ایک جانب ہوں۔ یا افغان اس کی دوسری طرف ہوں اس کے قرب کی بدولت بجائے محرک ہونے کے جامد ہوں گی۔ بہ نسبت اس کے کہ ہم ان سے براہ راست

متعلق ہوں"۔

سر جارج کلارک آگے چل کر کہتے ہیں کہ

"رنجیت سنگھ نے اپنی سلطنت کے شمال میں ایک راجپوتی حکومت کی آبادی اس لئے کی۔ کہ اسے ایک طرف اپنے شوریدہ سر خالصہ سے کوئی اُلفت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور دوسری طرف ضرر رساں اور انتقام پسند مسلمانوں سے اُسے کوئی رغبت نہیں ہو سکتی تھی۔ اور اگر اس کارروائی کے فلسفہ کا ثبوت لینا چاہو۔ تو اس کا اظہار نمایاں طور سے اس کے اپنے وقت میں ہوا۔ اور ہمارے عہد میں اس کی شہادت چار اہم مواقع پر مترتب ہوئی۔ پھر لارڈ ہارڈنگ نے اس پہاڑی حکمران کو اور بھی زیادہ مصالحہ دیا۔ اور یہ تجویز احتیاطی اور مدبرانہ تھی۔ گو اب ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو اس کی پالیسی کو نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں۔ اور جو اس کے اغراض سے بالکل ناآشنا نظر آتے ہیں"۔

یہ امر کہ گورنمنٹ آف انڈیا ان نظریوں کو کامل طور سے محسوس کر رہی تھی۔ اس بات سے روشن ہے کہ گورنر جنرل نے ان نکات پر خفیہ کمیٹی کے نام کے مراسلہ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ معاہدہ جس کی رو سے گلاب سنگھ کے مقبوضات میں کشمیر کا اضافہ ہُوا۔ متعلقہ امور کی کامل جانچ پڑتال کے بعد تصدیق ہوا۔ اور ان لوگوں

کو جنہوں نے اس کے ۱۸۴۵ء کے کارنامہ سے فائدہ اٹھایا اب اظہارِ افسوس نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اس بات کا ادعا نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ معاہدہ کوئی جائز سودا نہیں تھا۔ ماضی کی یاد میں ان مباحث کو خیال کے سطحی خلط ملط کے ساتھ نظر انداز کر دینا آسان ہے۔ اور اس امر کا اظہار کر دینا نہایت سہل ہے کہ انگریزوں کے لئے کشمیر کا قبضہ میں رکھنا اور اسے زر نقد کی خاطر نہ بیچنا" نہایت مناسب تھا۔ مگر یہ محض ذاتی خود غرضی کا جاہلانہ نظریہ ہے۔ جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے یہ تصدیق کے ترازو میں پورا نہیں اتر سکتا۔

سکھ جنگ کے دوران میں گلاب سنگھ کے رجحان کے متعلق دو رائیں قائم کرنا ممکن ہے۔ یہ امر بلا شک وشبہ درست ہے کہ وہ انگریزی حکومت کی دوستی حاصل کرنے کی کوشش سالہا سال سے کر رہا تھا۔ اور یہ بات بھی برابر کی صداقت رکھتی ہے کہ جب سکھوں اور کمپنی کے مابین جنگ کا افتتاح ہوا۔ تو اس نے اپنی سپاہ کے ساتھ اپنے بادشاہ کے جھنڈے کا رخ نہیں کیا۔ بلکہ جموں ہی میں رکا رہا۔ اور یاترا کی خاطر تریکوٹی چلا گیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جب اس نے جنوری ۱۸۴۶ء میں حکومت لاہور کا چارج لے لیا۔ تو وہ اپنی قابلیت۔ رسوخ اور ذرائع کی بدولت جنگ کو طوالت دے

سکتا تھا۔ اور انگریزوں کو لاتنہا ہی تکلیف دے سکتا تھا۔ اصل یہ ہے۔ کہ تصور کے مقام پر اس نے حقیقی طور پر اس بات کا اعلان کر دیا۔ کہ اسے اپنی پوزیشن کی اہمیت معلوم ہو چکی ہے۔

لہٰذا اس عقیدہ کی تائید میں تین وجوہات موجود ہیں ــــ کہ گلاب سنگھ قبل ازیں انگریزی حکام سے اس امر کی مفاہمت کر چکا تھا۔ کہ وہ لڑائی میں غیر جانبدار رہے گا۔ اس سلوک کی روشنی میں جو اس کی ذات اور اس کے خاندان کے ساتھ روا رکھا گیا۔ بہت کم لوگ اس کی روش ناپسند کریں گے۔ اس کے بھائیوں اور بھتیجوں کو بے رحمی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ صرف چند ماہ پیشتر اسکی بر سر بازار تذلیل کی گئی۔ اور اسے قید کر لیا گیا۔ دربار لاہور کی گلاب سنگھ اور اس کے خاندان سے متواتر مخالفت کئی سالوں تک وضاحت کا پہلو لئے رہی۔ یہ امر کہ استیصال تک کے ماتحت بھی اس نے دربار لاہور کی عملی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ وہ غیر جانبدار رہا۔ گلاب سنگھ کی رنجیت سنگھ کی یاد سے وفاداری کا مستحسن ثبوت ہے۔ عین آخری لمحہ تک اس نے دلیپ سنگھ کی ذات کے لئے حتے الامکان بہترین شرائط کے حصول کی کوشش کی۔ لہٰذا یہ بات ناممکن ہے۔ کہ اسے سکھوں سے عملی غداری کا ملزم قرار دیا جائے ؛؛

ساتواں باب

عہدنامۂ امرت سر اور بنائے سلطنت

صلحنامہ امرت سر کا مضمون حسب ذیل ہے

صلحنامہ جو ایک طرف انگریزی حکومت اور دوسری طرف مہاراجہ گلاب سنگھ والیئے جموں کے مابین، انگریزی حکومت کی طرف سے فریڈرک کری صاحب اور آنزیری میجر منٹگمری لارنس کے ذریعہ رائیٹ آنزیبل سر ہنری ہارڈنگ جی۔ سی۔ بی ملکہ برطانیہ کے آنزیبل پریوی کونسل اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات کے گورنر جنرل جن کے سپرد کمپنی کے ایسٹ انڈیز کے تمام امور کی رہنمائی اور نگرانی کرنا ہے کے احکام ماتحت کام کر رہے ہیں) اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی ذات کے مابین طے پایا۔

فقرہ نمبرا :- انگریزی حکومت مہاراجہ گلاب سنگھ اور اسکی ذکور

اولاد کے حق میں تمام پہاڑی اور کوہستانی علاقے مع اپنے مشمولات کے جو دریائے سندھ کے مشرق میں اور دریائے راوی کے مغرب ... میں واقع ہیں بشمول چمبہ اور ماسوائے لاہول کے خود مختار قبضہ کے طور پر منتقل کرتی ہے۔ بحالیکہ یہ علاقے اس رقبہ کا حصہ ہیں۔ جو دربار لاہور نے صلحنامہ لاہور کے فقرہ چہارم کی رو سے انگریزی حکومت کے حوالہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو کئے۔

فقرہ نمبر ۲:- اس رقبہ کی مشرقی سرحد کو جو فقرہ بالا کی رو سے مہاراجہ گلاب سنگھ کے نام منتقل کیا گیا۔ کمشنر معین کریں گے۔ جنہیں انگریزی حکومت اور مہاراجہ گلاب سنگھ اس غرض کے لئے مقرر کریں۔ اور اس کی تخصیص پیمائش کے بعد علیحدہ مسودہ میں کر دی جائے گی۔

فقرہ نمبر ۳:- گلاب سنگھ اور اس کی اولاد کے نام مذکورہ فقرہ کی تعمیل میں انتقال کے صلہ میں وہ انگریزی حکومت کو ۷۵ لاکھ نانک شاہی روپیہ ادا کرے گا جن میں سے ۵۰ لاکھ تو اس صلحنامہ کی تصدیق پر ادا کئے جائیں گے۔ اور ۲۵ لاکھ سال موجودہ ۱۸۴۶ء کی یکم اکتوبر کو۔ یا اس سے پیشتر وصول کئے جائیں گے۔

فقرہ نمبر ۴:- مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کی حد کو کسی وقت بھی انگریزی حکومت کی رضامندی کے

بغیر تبدیل نہیں کی جائیگا۔

فقرہ نمبر ۵ :- مہاراجہ گلاب سنگھ ہر ایسے مسائل اور جھگڑوں کو جو اس کے اور دربار لاہور یا کسی دوسری ہمسایہ سلطنت کے درمیان واقع ہوں۔ انگریزی حکومت کے فیصلہ پر چھوڑیگا اور انگریزی حکومت کے فیصلہ پر کاربند ہوگا۔

فقرہ نمبر ۶ :- مہاراجہ گلاب سنگھ اپنی ذات اور اپنے ورثا کے لئے اس امر کا ذمہ لیتا ہے۔ کہ وہ معہ اپنی تمام فوجی سپاہ کے انگریزی فوج کے ساتھ شمولیت اختیار کرے گا جبکہ وہ پہاڑی علاقہ کے اندر مصروف کار ہو۔ یا ایسے علاقوں میں جو اس کے مقبوضات سے وابستہ ہوں۔

فقرہ نمبر ۷ :- مہاراجہ گلاب سنگھ اس بات کا ذمہ لیتا ہے کہ وہ بغیر انگریزی حکومت کی مرضی کے اپنی ملازمت میں کسی انگریزی رعایا کو یا کسی یورپین یا امریکن ریاست کی رعایا کو نہ لیگا۔ اور نہ ہی بحال رکھیگا۔

فقرہ نمبر ۸ :- مہاراجہ گلاب سنگھ ذمہ لیتا ہے۔ کہ وہ منتقلہ علاقہ کے ضمن میں فقرہ نمبر ۵ - ۶ اور ۷ کی شرائط ملحوظ رکھیگا۔ اور ایسا ہی انگریزی حکومت اور دربار لاہور کے مابین علیحدہ طور پر ۱۱ مارچ ۱۸۴۶ء کو طے شدہ شرطنامہ کی پابندی کرے گا (یاد رہے کہ مذکورہ شرطنامہ جاگیرداران' بقایائے خراج اور ان قلعوں کے اثاثہ متعلق تھا جس کا انتقال مطلوب تھا)

فقرہ نمبر ۹ :- انگریزی حکومت مہاراجہ گلاب سنگھ کو خارجی دشمنوں کے خلاف اپنے علاقوں کی حفاظت کے لئے امداد دیا کرے گی۔

فقرہ نمبر ۱۰ :- مہاراجہ گلاب سنگھ انگریزی حکومت کی شہنشاہیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس ملکیت کے صلہ میں انگریزی حکومت کی خدمت میں سالانہ ایک گھوڑا۔ بارہ پشم دار بکریاں۔ مسلم نسل کی (چھ نر اور چھ مادہ) اور تین جوڑے کشمیری شالوں کے پیش کرے گا۔ (نوٹ ۱۳ مارچ ۱۸۸۴ء کو باہمی رضامندی سے اس امر پر اتفاق کیا گیا۔ کہ آئندہ مہاراجہ گلاب سنگھ بارہ بکریوں کی بجائے ۱۰ پونڈ پشم اپنی اصلی حالت میں جیسے کہ وہ لیہ سے کشمیر لائی جائے۔ ۴ پونڈ چیدہ اور منتخب سیاہ اون کے ۴ پونڈ خنا کی اون کے ۴ پونڈ سفید اون کے اور سفید سوت کی تین بہترین قسموں میں سے ہر ایک کا ایک پونڈ پیش کیا کریگا)

اس دس فقرات پر مشتمل صلحنامہ کا تصفیہ آنج فریڈرک کری صاحب اور آنریبل میجر ہنری منٹگمری لارنس نے رائیٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ کے احکام ماتحت انگریزی حکومت کی طرف سے اور مہاراجہ گلاب سنگھ نے بہ نفس خود کیا ہے۔ اور معاہدہ مذکور پر آنج رائیٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی گورنر جنرل کی مہر تصدیق ثبت کر دی گئی ہے۔

مقام تحریر امرتسر   واقعہ ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء

۱۷ ربیع الاول ۱۲۶۳ھ

دستخط :- اے۔ ایچ۔ ہارڈنگ (مہر) (دستخط) الف۔ کری

(دستخط) ایچ۔ ایم۔ لارنس

رائیٹ آنریبل گورنر جنرل آف انڈیا کے حکم سے

دستخط :- الف۔ کری۔ سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا بحضور گورنر جنرل

یہ صلحنامہ ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ دوسرے عہدناموں سے مختلف اصول پر مبنی ہے۔ وہ علاقے جن کا مہاراجہ کو حکمران تسلیم کیا گیا۔ اسے خود مختارانہ قبضہ کے رنگ میں دیئے گئے۔ گو انگریزی حکومت کی ملکیت کا اعتراف کیا گیا۔ لیکن کمپنی نے ایسا کوئی معاہدہ نہ کیا جسکی رو سے وہ ریاست کی اندرونی حفاظت کی گارنٹی کر سکے نقرہ ۹ محض انگریزی حکام کو اس امر کا پابند کرتا ہے کہ وہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو خارجی دراز دستی کے خلاف اپنے علاقہ کی حفاظت کے لئے امداد دیں گے

مہاراجہ سے واجب الوصول رقم کی مقدار ایک کروڑ روپیہ مقرر کی گئی۔ اس رقم میں سے اسے ۲۵۰۰۰۰۰ روپے کی ادائیگی سے مستثنےٰ کر دیا گیا۔ کیونکہ کمپنی نے کلو اور منڈی کے بیاس کے درے کے علاقہ پر قبضہ بحال رکھا۔ گورنر جنرل اس معاملات کو خفیہ کمیٹی "سیکرٹ کمیٹی" کے نام اپنے خط محررہ ۱۹ مارچ ۱۸۴۶ء میں یوں بیان کرتا ہے۔

"یہ امر نہایت انسب ہے۔ کہ کلو اور منڈی کے بیاس

سے درے کے علاقہ کو مع نورپور کے زرخیز تر رقبہ اور قوی پوزیشن کے اور کانگڑہ کے نامور قلعہ کے جو ملکی باشندگان کے خیال سے ہمالیہ کی کنجی ہے۔ بشمولیت اس اضلاع کے اور مفصلات کے اپنے قبضہ میں رکھا جائے۔ یہ صوبے بیاس اور چکی کے دریاؤں کے درمیان یکجا واقع ہیں۔ اور اس پر اپنا قبضہ قائم رکھنے میں ہمارا خرچ تھوڑا اور ہمیں فائدہ زیادہ ہوگا۔ چنانچہ مذکورہ علاقہ کے اپنے قبضہ میں رہنے کے صلہ میں گلاب سنگھ سے ایک کروڑ واجب الوصول روپیہ میں سے ۲۵ لاکھ روپیہ کی تخفیف کردی جائے گی"

۷۵ لاکھ روپیہ کی رقم میں سے ۵۰ لاکھ کی ادائیگی تصدیق عہدنامہ پر مطلوب تھی۔ اور ۲۵ لاکھ کی رقم یکم اکتوبر ۱۸۴۶ء سے پیشتر۔ مہاراجہ کو اس روپیہ کے نقد حصول میں بہت کچھ دقت کا سامنا ہوا۔ ۷۵ لاکھ کی رقم میں سے ۱۵ لاکھ قبل ازیں انگریزی حکومت کے تصرف میں آچکے تھے۔ یعنی یہ رقم سوچیت سنگھ کے خزانہ پر مشتمل تھی۔ جو فیروزپور میں زیرِ زمین دوز تھا۔ اور جس کے دربار لاہور کو دینے کا انگریزی حکومت نے سردار مذکور کی وفات پر اس بنا پر انکار کردیا تھا۔ کہ گلاب سنگھ کی شخصیت میں ایک اور دعویدار کا وجود موجود ہے۔ چنانچہ ۱۵ لاکھ کی یہ رقم گلاب سنگھ سے واجب الوصول تاوان کے ضمن میں جزوی ادائیگی کے طور پر قبول کر لی گئی۔

گو اس عہدنامہ کی رو سے گلاب سنگھ مہاراجہ کشمیر بن گیا. لیکن ابھی اس کا قبضہ کشمیر پر نہیں ہوا تھا۔ یہ محض اس علاقہ کی قانونی ملکیت تھی۔ جو اس کے نام منتقل ہوئی۔ وزیر لکھپت نے جسے سکھ گورنر سے اس کا قبضہ حاصل کرنے کے لئے ارسال کیا گیا۔ اسے کوئی آسان کام نہ پایا۔ شیخ امام دین سکھ گورنر نے راجہ لال سنگھ دربار لاہور کے وزیر کی ہدایات کی تعمیل میں اسی صوبہ کے دینے سے انکار کر دیا۔

نوٹ: شیخ امام کی شخصیت کو ایک مبصر نے جولائی ۱۸۴۷ء کے "کلکتہ ریویو" کے ایک مضمون میں یوں بیان کیا ہے۔

"شیخ موصوف شاید پنجاب بھر میں بہترین خلق اور بہترین ملبوسات کا آدمی ہے۔ وہ درمیانہ قد سے کچھ تھوڑی قدامت کا انسان ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی شخصیت کا تعلق ہے۔ اس کا حلیہ عجیب دلکش ہے۔ اور اس کے بدن کا لباس اس قسم کا بے نظیر ہے کہ اسے کشمیر کے بے نظیر ٹیلر ماسٹر صرف گورنر صوبہ کی خاطر تیار کر سکتے ہیں۔ اس کی مسکراہٹ اور ابرو ایک کامل درباری کے سے ہیں۔ اور اس کا مذاق عنداما نہ انداز سے کہیں برتر ہے۔ اس کی قدرتی ذہانت اور غیر معمولی طور پر مستحسن تعلیم نے اسے گفتگو کی معتد بہ طاقت عطا کر رکھی ہے"

تاہم تھوڑی کشمکش کے بعد وزیر لکھپت نے سری پربت کے قلعہ کو ہاتھ میں کر لیا۔ جو سرینگر پر حاوی ہے۔ لیکن اس کی پوزیشن چونکہ نازک تھی۔ مہاراجہ نے وزیر رتنو کو اسکی امداد کے لئے فوجیں بھیجیں۔ وزیر لکھپت مارا گیا۔ اور مختصر سی فوج جو تسخیر علاقہ کی خاطر بھیجی گئی۔ خود گھیرے خطرہ سے گھر گئی۔ علاوہ ازیں راجوری اور رام پور کے صوبہ میں دربار لاہور کے اشتعال پر بغاوت برپا ہو گئی۔ راجوری کا فیض طالب جو اسی ملک گیری کو اپنے دل میں جگہ دئے ہوئے تھا جس کا لڑکا رائل کا والد تھا۔ بغاوت کے قیام میں خاص سرگرمی کا ثبوت دے رہا تھا۔ گلاب سنگھ تمام اطراف سے بہت بُری طرح گھرا ہوا تھا۔ وزیر رتنو کشمیر میں مقابلہ کر رہا تھا۔ لیکن وہ پیشتر سے انتہائی تنگی کی وقت میں پھنسا ہوا تھا۔ اس پر مہاراجہ نے انگریزی حکومت کو دعوت دی۔ کہ وہ اسے کشمیر کا قبضہ دلائے کیونکہ وہ معاہدہ کا اپنا حصہ پورا کر چکا تھا۔ چنانچہ اس کے وزیر اعظم دیوان جوالا سہائے کو انگریزی حکومت کے پاس اس نقطہ نگاہ کے ذہن نشین کرانے کے لئے بھیجا گیا۔ گورنر جنرل نے اسے باریابی کا موقع دیا۔ اور حصول قبضہ کی خاطر اس نے اس کی امداد کا تہیہ کیا۔ اور اسکی اعانت کیلئے کرنل لارنس کو روانہ کیا۔ انگریزی حکومت نے سکھ حکومت سے مطالبہ کیا۔ کہ وہ اپنے گورنر کو علاقہ حوالہ کر دینے پر مجبور کرے۔ چنانچہ لال سنگھ خود اپنے کارندہ کے خلاف

فوج بھیجنے پر مجبور ہو گیا۔ سرداران تیجا سنگھ۔ شیر شاہ اور منگل سنگھ اور جرنیلاں کاہن سنگھ مان اور لال سنگھ معوریا سے کشمیر جانے کے لئے کہا گیا۔ یہ فوج بھمبر کے راستہ بڑھی دوسری جانب لارنس کی سرکردگی میں ایک مختصر سی انگریزی سپاہ نے بھی کشمیر کی طرف چڑھائی کر دی

سپاہ جموں مہاراج کمار رنبیر سنگھ کے ماتحت تھی۔ ڈیل ایڈورڈز بھی مہاراجہ سے ریاسی کے مقام پر شامل ہو گیا۔ شیخ امام دین کو انگریزی حکومت کے نظریہ کی اطلاع کر دی گئی۔ جب وہ اس طرح پر انگریزوں، دربار لاہور اور گورنمنٹ جموں کی طرف سے مجبور ہو گیا۔ تو اس نے ذاتی طور پر لارنس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس نے اس وقت اعلان کیا کہ اس نے لال سنگھ کی تحریری ہدایات کی تعمیل کی تھی۔ اور اور اپنے بیان کی صداقت پروانہ وزیر کو پیش کر کے ثابت کر دی۔ اس پر انگریزی حکومت نے مطالبہ کیا۔ کہ لال سنگھ کو دربار لاہور کے معاملات کے انصرام سے علیحدہ کر دیا جائے۔

امام دین کی اطاعت پر کشمیر اور اس کے مضافات امن و سکون کے ساتھ گلاب سنگھ کے قبضہ میں چلے گئے۔ چنانچہ مہاراجہ ۹ر نومبر ۱۸۴۶ء کے دن سرینگر میں داخل ہوا۔ امام دین اس واقعہ سے دو دن پیشتر جا چکا تھا۔ اور اس کی ملاقات سے بچنے کی خاطر مہاراجہ نے اپنی راہ بدل لی۔ اور شیرگڑھی میں

دن کے آٹھ بجے داخل ہو گیا

۱۸۴۷ء میں ہزارہ کے قبائل آمادہ بغاوت ہو گئے۔ دیوان ہری چند جسے بغاوت کے فرو کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ بغاوت کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں تھا۔ بالآخر دیوان جوالا سہائے کو بذات خود جانا پڑا۔ اور وہ بغاوت کو فرو کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تاہم مہاراجہ نے انگریزی حکومت سے درخواست کی۔ کہ وہ ہزارہ کے عوض منڈیر اور گڑھی کے علاقے اسے دیدے جو کپتان جیمز ایبٹ کو ان خدمات کے صلہ میں جاگیر کے طور پر دیئے گئے تھے۔ جو اس نے خطوط سرحد کی تعیّن میں سرانجام دیں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے گفت و شنید کا افتتاح کر دیا گیا۔ اور دیوان جوالا سہائے کو انعقاد معاہدہ کی خاطر لاہور بھیجا گیا۔ بہت سی بنیادی گفتگو کے بعد ایک عہدنامہ پر دستخط کئے گئے۔ جس کی رو سے ہزارہ دربار لاہور کو دیا گیا۔ اور شہر جہلم اور مظفرآباد کے درمیان جموں کی سرحد دریائے جہلم کو قرار دیا گیا۔

اس انتظام کے ماتحت مہاراجہ کو کٹھوعہ اور سوچیت گڑھ معہ کچھ حصہ مناور کے دیئے گئے۔ سرحد میں ۱۸۴۷ء میں پھر سے تبدیلی ہوگئی۔ جبکہ ریاست نے سجان پور کا ضلع اور پٹھانکوٹ کا کچھ حصہ سالانہ خراج کے صلہ میں پہاڑی اضلاع کے عاق شدہ راجگان کو دیا گیا۔ جنہوں نے اپنی رہائش انگریزی علاقوں میں اختیار کر لی تھی۔ اور جنہیں مہاراجہ نے ۶۲۲۰۰ روپیہ سالانہ کی مجموعی دائمی پنشن کے ادا کرنے کا وعدہ کر رکھا

تھا۔ ان پنشن یافتگان میں سب سے زیادہ مشہور راجوری جسروٹہ رام نگر، بسوہلی اور کشتواڑ کے راجہ تھے۔

لاہور کے دوسرے عہدنامہ کی رو سے سکھ حکومت کو کچھ عرصہ کے لئے سر ہنری لارنس کے کامل تصرف میں رکھا گیا۔ اور اس کی مداخلت کے ذریعہ سے صلحنامہ پر ۵ مئی ۱۸۴۷ء کو دستخط کئے گئے۔ تبت اور کشمیر کے مابین حد بندی کا کام وانس ایگنیو اور کننگھم کے سپرد کیا گیا۔ وہ ۲ اگست ۱۸۴۷ء کو شملہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر چونکہ دوران سال میں کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ کننگھم کو دوبارہ ہنری سٹریچی اور ڈاکٹر بارٹن کی معیت میں روانہ کیا گیا۔ اور انہوں نے سرحدیں متعین (جیسا کہ ان دنوں موجود ہے) کی۔ مگر ریاست کے اندر کے دوسرے رقبوں کے متعلق جدید دقتیں پیدا ہوئیں۔ پونچھ کا ضلع حقیقتاً راجہ دھیان سنگھ کو دربار لاہور نے نوابی کے طور پر دے رکھا تھا۔ راجہ دھیان سنگھ اور اس کے بڑے بیٹے راجہ ہیرا سنگھ کی وفات پر دربار لاہور نے اس بنا پر جاگیر مذکور کو ضبط کر لیا۔ کہ جاگیر کے مالک بحالت بغاوت میں مرے ہیں۔ پھر یہی جاگیر راجوری کے فیض طالب خاں کو دی گئی۔ جب راوی اور سندھ کے مابین کا رقبہ واحد ملکیت کی خاطر گلاب سنگھ کو دیا گیا۔ تو پونچھ کا علاقہ بھی اس کے نام ہو گیا۔ مہاراجہ نے پھر یہ علاقہ جواہر سنگھ کو عطا کر دیا۔ جو دھیان سنگھ کا سب سے بڑا لڑکا موجود تھا۔ اب جواہر سنگھ نے پونچھ کا دعویٰ کیا۔ اور کہا کہ وہ اس کے باپ

کا راج ہے۔ جواہر سنگھ نے جسروٹہ کے متعلق دعویٰ کیا۔ کہ وہ ہیرا سنگھ کی جاگیر ہے۔ اور اسی طرح اس نے آمدنیٔ کشمیر کے کچھ حصّہ اور گلاب سنگھ کی ذاتی جائیداد کے کچھ حصّہ کا اس بنا پر دعویٰ کیا۔ کہ وہ تمام بھائیوں کی مشترکہ خاندانی جائیداد ہے۔ اس نے اور موتی سنگھ نے اس امر کا ادعا بھی کیا۔ کہ ان کے نام بھی صلحنامہ امرتسر میں شامل کئے جائیں۔ یہ معاملہ انگریزی حکومت کے سپرد کیا گیا۔ اور مہاراجہ نے دیوان جوالا سہائے کو اپنے ایجنٹ کی حیثیت سے روانہ کیا۔ یہ معاملہ پہلے پہل ۱۱ اگست ۱۸۴۸ء کو ہنری لارنس کے سامنے پیش ہوا۔ چنانچہ جسر سنگھ کی وساطت سے جو جواہر سنگھ کا نمائندہ تھا۔ لارنس نے میاں کو مشورہ دیا۔ کہ وہ لاہور آئے۔ اور اس سے ذاتی طور پر ملاقات کرے۔ مگر میاں نے پس و پیش کرنی چاہی اور جنوری ۱۸۴۸ء کو اسے لاہور آنے کے لئے بوضاحت کہا گیا۔ مگر میاں نے اس ملاقات کو اس بنا پر ٹال دیا کہ ایک نامبارک زلزلہ رونما ہو گیا ہے۔ جواہر سنگھ درحقیقت مناسب وقت کی خاطر لیت و لعل کر رہا تھا۔ وہ اس امر کی اُمید میں تھا۔ کہ لارنس جس کی دوستی مہاراجہ کے ساتھ معروف تھی۔ کوئی زیادہ عرصہ تک لاہور میں نہیں رہے گا۔ چنانچہ اس کی حسب خواہش تبدیلی واقع ہو گئی۔ اور جب سر فریڈرک کری ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ تو میاں جواہر سنگھ لاہور پہنچ گیا۔ اور معاملہ کو نئے ریذیڈنٹ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اور یہ معاملہ ثالثان کے سپرد کر دیا گیا۔ اور ایک عہدنامہ مرتب ہوا۔ جواہر سنگھ اور موتی سنگھ

کو دو عاید جاگیریں دی گئیں۔ یعنی چلا بار اور وٹالہ کی۔ اور انہیں راجہ کا خطاب بھی دیا گیا۔ ان پر شرط عائد کی گئی۔ کہ وہ مہاراجہ کو ہر سال ایک گھوڑا سنہری جھول کے ساتھ دیا کریں گے۔ اور ان پر پابندی عائد کی گئی۔ کہ وہ تمام اہم امور میں اس کا مشورہ لیا کریں گے رہا ان کا یہ ادعا کہ ان کے نام بھی عہد نامہ میں شامل کئے جائیں۔ سو اسے نامعقول سمجھکر خارج از سوال کر دیا گیا۔ سر فریڈرک کری کے فیصلہ مورخہ ۱۲ ر مئی ۱۸۴۸ء میں سے ذیل کے اقتباسات پیش کئے جا سکتے ہیں۔

بحالیکہ سکھ گورنمنٹ کے پہاڑی ممالک ہیں کے حقوق املاک اور مفاد انگریزی حکومت کے ہاتھ میں جا چکے ہیں۔ اور بحالیکہ انگریزی حکومت کے مہاراجہ صاحب بہادر کے ساتھ کے عہد نامہ کے مطابق یہ تمام حقوق املاک اور مفاد مذکورہ پہاڑی ممالک میں مہاراجہ صاحب بہادر کے نام کامل طور سے منتقل کر دیئے گئے ہیں اور یہ

نیز بحالیکہ یہ امر لازمی ہے۔ کہ تمام مستحق اشخاص کے قدیمی اور مسلم حقوق کو بحال رکھا جائے۔ اس بات کی ہدایت کی جاتی ہے۔ کہ میاں صاحبان کو کوئی اختیار یا طاقت حاصل نہیں ہوگی۔ کہ وہ اپنے ملک کے اندر کسی اہم امر کو بغیر مہاراجہ صاحب بہادر کے ذاتی مشورہ اور نصیحت کے طے کر سکیں۔

اور مہاراجہ صاحب بہادر کو یقین دلایا جاتا ہے۔ کہ تمام ملک کا کامل نظم و نسق خواہ وہ مہاراجہ صاحب بہادر کے قبضہ میں ہو۔ یا اس کے افسروں کے قبضہ میں صرف مہاراجہ بہادر کی ذات سے مختص ہوگا۔

جواہر سنگھ اور موتی سنگھ ۱۸۵۲ء میں ایک دوسرے سے جھگڑ پڑے۔ جبکہ اس معاملہ کو دوبارہ پنجاب گورنمنٹ کے سپرد کیا گیا۔ جس نے پونچھ کا علاقہ موتی سنگھ کو انہی شرائط پر جاگیر کے طور پر دیدیا۔

جواہر سنگھ مولوی مظہر علی نام کے ایک سازشی کارستان کے ہاتھ میں پڑ گیا۔ جسے اس نے اپنا دیوان مقرر کیا۔ مولوی مذکور فوجی بھرتی کی خاطر سوات بھیجا گیا۔ لیکن انگریزی حکام نے اسے روک دیا۔ اور اسے پنجاب سے نکال دیا گیا۔ پھر جواہر سنگھ بہ نفس خود کرنل لارنس کے پاس گیا۔ اور اس سے درخواست کی۔ کہ اسے خود مختار بنا دیا جائے۔ لیکن جب اس کی سازشیں اور غیر وفاداری ظاہر ہو گئی۔ تو اس کی جائیداد کو ضبط کر لیا گیا۔

یہ امر یاد رہے کہ ۱۸۴۶ء کے عہد نامہ کی رو سے گلاب سنگھ کے علاقہ میں چمبہ تو شامل تھا۔ لیکن سانپی شامل نہیں تھی۔ راجہ چمبہ نے بھدرواہ کا دعویٰ کیا۔ جو رنجیت سنگھ نے اسے بطور جاگیر کے دے رکھا تھا۔ اور چونکہ معاہدہ لاہور کے فقرہ نمبر ۵ کی رو سے انگریزی حکومت نے جاگیرداروں کے جائز حقوق کے ملحوظ رکھنے کا منتقلہ علاقہ جات میں اقرار کر رکھا تھا۔ راجہ چمبہ کی بھدرواہ کی دعویداری قوی اور ناقابل اعتراض تھی۔ لیکن پوزیشن اس لحاظ سے متضاد تھی۔ کہ چمبہ گلاب سنگھ کے نام منتقل ہو چکا تھا۔ اور بھدرواہ جو منتقلہ جغرافیائی حدود میں شامل تھا۔ حکمران چمبہ کی ملک تھا۔ چنانچہ اس معاملہ کا تصفیہ بھی ہنری لارنس کے فیصلہ سے ہوا۔ جس نے

بھدرواہ معہ لکھن پور اور چاندگراؤں کے مہاراجہ کو عطا کیا۔ بجالیکہ چمبہ منزپایہ سرحد تک علاقہ جموں و کشمیر کا حصہ نہ رہا۔ اور انگریزی حکومت کے ماتحت ایک اتحادی ریاست بن گیا۔

اس طرح ریاست جمبہ نے اپنی موجودہ شکل اختیار کر لی۔ اور گلاب سنگھ کے قبضہ میں ۸۰۰۰۰ مربع میل سے زیادہ پر مشتمل رقبہ معہ تبت اور پابیر کے کچھ حصہ کے علاوہ جموں اور کشمیر کی حقیقی ہندوستانی قلمرو دوں کے آ گیا۔ مذکورہ رقبہ کسی زمانہ میں کبھی موثر رنگ میں واحد حکمران کے ماتحت مجتمع نہیں ہوا تھا۔ اور اس کے معتد بہ حصہ نے سوائے وادی کشمیر کے رقبہ کے منظم حکومت کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ اب نظم و نسق اور حکمرانی کا کام باقی رہا۔ اور یہ کام اختلاف آبادی مفاد آب و ہوا۔ اور ماضی کے عدم تسلسل کی روشنی میں کسی طرح پر بھی امر آسان نہیں تھا۔ یہ گلاب سنگھ کی عظیم الشان کامیابی ہے کہ اب اس نے اس زبردست کام کی تکمیل میں اپنے قوی کو حرکت دی اور گو اسکی عمر جب وہ خود مختار حکمران بنا ۵۳ سال کی ہو چکی تھی۔ اس پہلو میں بھی اس کی کوششوں نے کامیابی کا تاج پہنا۔

آٹھواں باب

گلاب سنگھ کا عہد حکومت

اس طرح یہ پیدا کردہ ریاست ہندوستان کی دوسری داخلی ریاستوں سے اس لحاظ سے مختلف تھی۔ کہ وہ اپنے اندرونی معاملات میں بالکل خود مختار تھی۔ انگریزی حکومت کا اس کے نظم ونسق پر کوئی تصرف نہیں تھا۔ اور نہ ہی کوئی ریذیڈنٹ متعین تھا۔ دراصل پنجاب کی ملکی پوزیشن نے اس قسم کی مداخلت کو ناممکن بنا رکھا تھا۔ سکھ آبادی کی معاندت اور افغانستان کے ساتھ کے کشیدہ تعلقات نے انگریزی حکومت کے لئے اس بات کو لازمی بنا دیا۔ کہ گلاب سنگھ کی دوستی حاصل کی جائے۔ اور اس کے ساتھ خاص وقار کے اتحادی کا سلوک کیا جائے۔ اور اگر کسی وقت انگریزی حکام کے خیالات مختلف ہونے لگتے۔ تو پنجاب کے حالات کی فوری نزاکت ان پر اس حقیقت کو واضح کر دیتی۔ کہ ان کے صحیح مفاد کس پہلو میں مخفی ہیں ؀

سال ۱۸۴۸ء نے دوسری سکھ جنگ کے آغاز کا شاہدہ کیا۔ سردار چتر سنگھ نے خود کو دوست محمد خاں سے متحد کر لیا۔ اور سارے کا سارا پنجاب لاہور میں انگریزی تسلط کے قیام کے خلاف آمادہ جنگ ہو گیا۔ چتر سنگھ نے مہاراجہ کے پاس سری نگر میں ایک ایجنٹ بھیجا۔ لیکن گلاب سنگھ نے اسے اس کے منصوبوں کے خلاف مشورہ دیا۔ دوست محمد نے بھی اپنا قاصد بھیجا۔ لیکن مہاراجہ نے اس کی باریابی سے انکار کر دیا۔ ابتدائے جنگ میں گلاب سنگھ نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھا کہ وہ امداد کے لئے تیار ہے۔ حکام شملہ کے دل میں شکوک جاگزین تھے۔ یہاں تک کہ ان کا خیال تھا۔ کہ مہاراجہ پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب صورت حالات خطرناک ہو گئی۔ تو گلاب سنگھ سے انگریزوں کی امداد کرنے کی اور باغیوں سے جنگ کی خاطر فوج بھیجنے کی درخواست کی گئی۔ چنانچہ حدود کشمیر مسدود کر دی گئیں۔ اور سید غلام علی شاہ اور وزیر زورآور کی سرکردگی میں ایک طاقتور سپاہ اس ہدائیت کے ساتھ روانہ کی گئی۔ کہ وہ سر جان لارنس کے احکام کے ماتحت کام کریں۔ علاوہ ازیں مہاراجہ نے تین دستے فوج کے مناور۔ بھمبر اور میرپور کے مقامات پر محفوظ رکھے۔ تاکہ بغاوت اس کے اپنے علاقہ میں پھیل نہ سکے۔

مابعد کے زمانہ میں سر لیپل گریفین نے بھی گلاب سنگھ کو دوسری سکھ جنگ سے متعلق کرنے کی کوشش کی ہے سر لیپل

رقمطراز ہے۔

"گو گلاب سنگھ کی بغاوت میں آمیزش کے متعلق کسی قانونی عدالت کو تسلی بخش ثبوت نہیں مل سکتا۔ تاہم تاریخ کی کافی شہادت اس کے خلاف فیصلہ کرنے کے لئے موجود ہے"

اس شہادت کا مشاہدہ جسے مسٹر لیپل گریفین ضروریات تاریخ کے لئے کافی سمجھتا ہے۔ اس کے ذیل کے خیالات سے معلوم ہوگی۔

"اولاً۔ ایک عام خیال اس قسم کا موجود ہے۔ جس میں دوست محمد خاں افغانی بھی شریک تھا۔ کہ گلاب سنگھ بغاوت کا محرک ہے۔ اور یہ کہ اس کی مرضی کے خلاف چتر سنگھ ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ ہیرانند جسے چتر سنگھ نے سفر کے طور پر مہاراجہ کے ہاں بھیجا۔ کی شہادت رقمزدہ اکتوبر ۱۸۴۹ء گو بہت سی جگہوں میں مبالغہ آمیز اور متضاد ہے تمام طور پر درست تسلیم کی جاتی ہے گو کسی قسم کی کوئی کاغذاتی شہادت نہ معلوم نہ ہو سکی۔ لیکن ایک نہایت مکار آدمی خود ایسی بات کے لئے تحریر کا پابند نہیں کر سکتا تھا۔ جس کی تشریح زبانی ہو سکتی ہو۔ یا جس کے اظہار اشارہ سے۔ یا انگلی کی جنبش سے ہو سکتا ہو۔

تو یہ ہے وہ شہادت جسے مسٹر لیپل کی وسعت خیالی گلاب سنگھ کے خلاف فیصلہ دینے کے لئے ضرورت تاریخ کی

خاطر کافی سمجھتی ہے۔ لیکن یہ شہادت ایک عامیانہ عقیدہ پر مشتمل ہے جس میں دوست محمد کو بھی شریک بتلایا جاتا ہے۔ اور محض افواہ ہے بغاوت کے ماحول میں اس افواہ کا پھیلانا صاف طور پر باغیوں کے حق میں تھا۔ کہ کشمیر کا زبردست حکمران بھی ان کے ساتھ شامل ہونے کو تیار ہے۔ شہادت کا دوسرا حصہ یعنی چتر سنگھ سے دوستی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مہاراجہ کے سکھ دربار کے تم و بیش تمام سرداروں سے دوستانہ تعلقات تھے۔ اور اس بات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ان میں سے کوئی بھی گلاب سنگھ کی مرضی کے بغیر ہاتھ اٹھا نہیں سکتا تھا۔ بعین طور پر فضول بات ہے۔ تیسری وجہ جس پر سر لیپل گریفین نے اپنے قول کی بنا رکھی ہے۔ چتر سنگھ کے سفیر ہیرا نند کا بیان ہے۔ جو مہاراجہ کو پھنسانے کی صاف لفظوں میں کوشش کرتا ہے لیکن سر لیپل خود اس امر سے متفق ہے۔ کہ ہیرا نند گور کی شہادت مبالغہ آمیز اور متضاد ہے۔ تو سمجھ نہیں آتا۔ کہ کیوں اس پر صرف ایسی صورت میں اعتبار کیا جائے۔ جب کہ وہ گلاب سنگھ کے خلاف جاتی ہے۔

گریفین اصل واقعہ کے دو نسل بعد لکھتے ہوئے گلاب سنگھ کو بغیر کسی شہادت کے دوسری سکھ جنگ میں پھنسانا چاہتا ہے۔ بحالیکہ ہمارے پاس سر جارج کلارک کی شہادت ہے۔ جو مارچ ۱۸۴۹ء میں بغاوت کے عین بعد رقمطراز ہے۔ کہ اس نے گلاب سنگھ کی وفاداری کو کئی موقعوں پر سختی سے ساتھ آزمایا۔ اور اسے ہمیشہ مخلص پایا۔

حقیقت یہ ہے کہ گلاب سنگھ نے بغاوت کے فرو کرنے کے لئے اپنی ہر ممکن طاقت خرچ کی۔ جیسا کہ اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ سکھ فوج کی طاقت گجرات کے مقام پر شکستہ ہوئی۔ جہاں رام سنگھ کو بہادری کی موت نصیب ہوئی۔ "گلاب نامہ" کا مصنف رقمطراز ہے:۔ کہ

"رام سنگھ چھبر والا نے جو نہایت جری تھا۔ اور میدان سے کبھی بھاگ نہیں سکتا تھا۔ کاسۂ موت کو نہایت بے باکی کے ساتھ پیا۔ اور اپنی جوانمردی اور شجاعت کا ثبوت دیا۔"

جب لارڈ ڈلہوزی لاہور آیا۔ تو گلاب سنگھ کو ملاقات کی دعوت دی گئی۔ وہ سرینگر سے جموں آیا۔ لیکن لاہور نہ گیا۔ مہاراجہ کے پاس دفع ملاقات کی معقول وجہ موجود تھی۔ یہ بات مشہور تھی۔ کہ لارڈ ڈلہوزی نہ صرف گلاب سنگھ کو ناپسند کرتا تھا۔ بلکہ یہاں تک کہ وہ اسی وجہ سے سرہنری لارنس کے ساتھ بھی برسر پرخاش رہتا۔ تاہم کمانڈر انچیف لارڈ نیپیئر نے ملاقات کا ایک دن مقرر کیا۔ اور وہ سیالکوٹ میں ملاقی ہوئے۔ سر جان لارنس مہاراجہ کو جائے ملاقات پر پہنچانے کے لئے جموں آیا۔ مہاراجہ کی ملاقات کے لئے گورنر جنرل نے ایک اور کوشش کی۔ چنانچہ اس امر کی تجویز کی گئی۔ کہ وہ جموں آئے۔ اور دیوان جوالا سہائے کو تقریب کے انتظام کے لئے جموں بھیجا گیا۔ چونکہ جموں کی ملاقات سے متعلقہ التزامات کے بارے میں مفاہمت نہ ہو سکی۔ اس لئے

بالآخر یہ ... فیصلہ ہوا۔ کہ گورنر جنرل وزیر آباد تک جانے کی تکلیف گوارا کرے۔ چنانچہ مہاراجہ رنبیر سنگھ ولیعہد اور راجہ جواہر سنگھ اور موتی سنگھ اور دوسرے ممتاز سرداروں کی ہمراہی میں وزیر آباد گیا۔ سر جان لارنس جو ان دنوں پنجاب میں بورڈ آف کنٹرول کا پریذیڈنٹ تھا۔ سر رابرٹ منٹگمری اور لارڈ نیپئر کے ساتھ مہاراجہ کے استقبال کے لئے آیا۔ جس کی توجی سلامی اتاری گئی۔ مہاراجہ اور لارڈ ڈلہوزی کے مابین ملاقات کو بوجہ موخر الذکر کی ناسازیٔ طبع کے چند دن کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ جب ملاقات عملی طور پر واقع ہوئی۔ تو مہاراجہ کو گورنر جنرل کے کیمپ میں لے جایا گیا۔ ڈلہوزی خود دروازہ تک آیا۔ مہاراجہ کو ہاتھ سے پکڑا۔ اور اسے اپنی دائیں جانب بٹھلایا۔ چنانچہ سلامی اُتاری گئی۔ اور تحائف ایک دوسرے کو دیئے گئے۔

سنہ ۱۸۵۰ء میں سر ہنری اور لیڈی لارنس یا نہال کی راہ کشمیر میں آئے۔ اننت ناگ کے مقام پر شہزادہ رنبیر سنگھ ولیعہد نے ان کا استقبال کیا۔ سرینگر میں قیام کے دنوں میں وہ متعدد بار گلاب سنگھ سے ملے۔ وہاں سے لارنس اسکردو۔ لداخ گیا۔ اس کے مشن کی غرض لازمی طور پر سنٹرل ایشیائی تجارت کے امکانات کا مطالعہ تھا۔

یورپین سیاحوں نے قبل ازیں کثیر تعداد نے کشمیر آنا شروع کر دیا تھا۔ بلکہ سنہ ۱۸۴۷ء تک کے ابتدائی سال میں گلاب سنگھ ان کی بے قاعدگیوں کا شاکی تھا۔ ڈاکٹر ہانی برگر نے جس نے

سال مذکور میں اس کی ملاقات کی۔ اس موضوع پر مہاراجہ سے ذیل کی گفتگو کا حوالہ دیا ہے۔

"ان دنوں جبکہ میں کشمیر میں تھا۔ مہاراجہ کے ہاں متعدد انگریز سیاح موجود تھے۔ جن کے ساتھ وہ انتہائی مہمان نوازی کا سلوک روا رکھتا۔ تاہم ایک گفتگو میں جس کا موقع مجھے مہاراجہ کے ساتھ ملا۔ اس نے شکوہ کیا کہ یورپین سیاحوں کے بہت سے نوکروں نے پیش کردہ مہمان نوازی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ اس لئے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے ہمراہ زعفران اور ملک کی دوسری پیداوار کی کثیر مقدار لے گئے ہیں۔ جو اس مقدار سے کہیں زیادہ تھی۔ جسے وہ عملی طور پر اپنے قیام کے دوران میں استعمال کر سکتے تھے۔"

ان ممتاز سیاحوں میں جو مہاراجہ کے مہمان تھے۔ لارڈ ہارڈنگ کے بہنوئی لارڈ گر فورڈ، سر ہنری لارنس اور کرنل کنگ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مہاراجہ اور اعلیٰ انگریزی افسروں کے مابین باوجود ذاتی راہ و رسم ہونے کے اس وقت کے سیاسی تعلقات کلی طور سے دوستانہ نہیں تھے۔ ۱۸۴۸ء میں لارڈ ہارڈنگ نے مہاراجہ کو لکھا۔ کہ اس کی داخلی تنظیم و نسق کی نوعیت انگریزی گورنمنٹ کے دلوں میں غلط فہمی پیدا کر رہی ہے۔ اور کمپنی کو اس کے معاملات میں دخل دینے کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔!!

اس مراسلہ کی غرض سرینگر میں ایک رزیڈنٹ کا متعین کرانا تھا۔ جس تقرر کے لئے کہ عہدنامہ ۱۸۴۶ء میں کوئی گنجائش نہ رکھی گئی تھی۔ مہاراجہ نے ادعا کیا۔ کہ اس کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ اس کی ریاست میں کوئی رزیڈنٹ مقرر نہیں کیا جائیگا۔ ۱۸۵۱ء میں یہی سوال پھر اٹھایا گیا۔ اس بنا پر ہر سال وادی کشمیر کو زیادہ سے زیادہ انگریزی سیاح جاتے ہیں۔ جن کے مفاد کی نگرانی ریزیڈنٹ کریگا۔ مہاراجہ نے اس عذر کی شدت کے ساتھ مزاحمت کی۔ اور احتجاج کیا۔ کہ ایک پولٹیکل آفیسر کا تقرر جیسا کہ دوسری ریاستوں میں دستور ہے۔ اس خودمختاری کے فیصلہ کے خلاف ہے۔ جو اس کی ریاست کو گارنٹی کیا گیا تھا۔ اور یہ کہ چونکہ یورپین سیاح وادی کشمیر میں موسم گرما میں آتے ہیں۔ اس لئے اس قدر کافی ہوگا۔ اگر ایک افسر کا تقرر صرف موسم کے لئے کیا جائے۔ اس پر گورنمنٹ آف انڈیا نے رزیڈنٹ کے تقرر کے دعویٰ کو واپس لے لیا۔ اور صرف اس امر پر رضامند ہوگئی۔ کہ اس فریضہ کے لئے ایک آفیسر کو صرف گرمی کے دنوں کے لئے سرینگر بھیجا جایا کرے گا۔ چنانچہ سر جان لارنس کا دلوان جوالا سہائے کے نام ۲۴ جنوری ۱۸۵۲ء کا ذیل کا خط تقرر کی غرض کو ظاہر کرتا ہے۔

"بوجہ بعض زیادتیوں کے جن کا ارتکاب بعض یورپین آفیسروں نے گذشتہ سال میں کیا ہے۔ میں کسی ذمہ دار یورپین افسر کو سرینگر میں متعین کرنا چاہتا ہوں

جو وہاں ایسے سیاحوں کی واپسی تک مقیم رہے۔ تاکہ وہ اس قسم کی زیادتیوں کے امکان کو روک سکے۔ چونکہ مہاراجہ میجر میکریگر کے نیک ارادوں اور خوش خلقی سے اچھی طرح واقف ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ اسے سرینگر مقیم رہنے کی موسم گرما کے خاتمہ تک اجازت دی جائے۔ تاکہ وہ کشمیر کے یورپین سیاحوں کے رویہ کی نگرانی کر سکے۔ چونکہ یہ انتظام ہز ہائینس کی بہبود کو بھی متصوّر کرتا ہے۔ اس لیئے اُمید کی جاتی ہے۔ کہ ہز ہائینس اسے بطیب خاطر منظور کر لیں گے"

اس طرح پر مقرر شدہ آفیسر کو سیاسی نگران کاری کے کوئی اختیارات حاصل نہیں تھے۔ مگر ریزیڈنٹ کے تقرّر کی تجویز کی۔ ۱۸۷۳ء میں پھر سے تجدید کی گئی۔ ایک معقول استدلال کے مراسلہ میں مہاراجہ نے اس امر کو جتلایا۔ کہ عہدنامہ میں کوئی ایسا فقرہ موجود نہیں ہے۔ جو انگریزی حکومت کو ریزیڈنٹ مقرر کرنے کا اختیار دے۔ اور اس نے سابق کے طور پر ۱۸۵۱ء کی تجویز کا حوالہ دیا۔ اس پر انگریزی گورنمنٹ نے اپنا مطالبہ واپس لے لیا۔

کشمیر کا نظم و نسق گلاب سنگھ کی تمام سیاسی قابلیت کا محتاج رہتا۔ سکھ حکومت کے آخری دنوں میں صوبہ کے معاملات بہت بُری طرح نظر انداز کر دیئے گئے۔ شالبافی کی صنعت جس پر کشمیر کی آبادی کا دارومدار ہے۔ بھاری اور ظالمانہ ٹیکسوں کا شکار ہو رہی تھی۔ لاپرواہ گورنروں بالخصوص شیخ امام دین

نے وادی کشمیر کی بہت سی اراضی بلاخراج مراعات میں دے رکھی تھی۔ بیگار یا جبری مزدوری کے ظالمانہ سسٹم نے دیہقانی آبادی کی زندگی تلخ کر رکھی تھی تنگ دہ اولاد کُشی عام تھی۔ اور پہاڑی رقبے ڈاکوؤں سے بھر پور تھے۔

گلاب سنگھ نے عنانِ حکومت سنبھالنے کے کم و بیش فوراً بعد اپنی طاقت کو اپنے ملک کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک جتلانے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے بغاوت کو آہنی پنجہ کے ساتھ فرد کیا۔ امن و امان کو سلطنت کے ہر حصہ میں بحال کیا گیا اور تجارت اور کاروبار کو ہر شخص کے لئے محفوظ بنانے کی تمام کوششیں کی گئیں۔ چنانچہ اس کا نتیجہ فوراً مشاہدہ میں آنے لگا۔ لکلس اپنے سرکاری روزنامچہ میں ۱۹ر نومبر ۱۸۴۷ء کے ضمن میں یوں رقمطراز ہے:۔

"مجھے کابلی تاجروں کے قافلہ کے ساتھ جو کشمیر کو تمبا کو اور نسوار لے جا رہے تھے۔ اور وہاں سے وہ پٹو اور نوشس لانا چاہتے ہیں۔ جو کابل میں بہت مہنگی بکتی ہے تھوڑی گفتگو کا موقع ملا۔ انہوں نے خود اپنے اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقے کے ظالمانہ محصولات کی شکایات کیں مگر اس پر اضافہ یہ کیا۔ کہ مہاراجہ کے علاقہ میں ان کے مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ بحالیکہ انہیں کابل اور پشاور کے درمیان وقتاً فوقتاً ڈاکو قبائل کی طرف سے بہت سے خطرات لاحق ہوتے ہیں"۔

ایک بڑی مشکل جس کا مہاراجہ کو مقابلہ کرنا پڑا ۔ جاگیری عطیوں کے متعلق تھی ۔ صرف ایک دھرمشتہ میں علاوہ بیشمار دوسری قسم کی اراضیات کے ۳۱۱۵ جاگیریں ہی لوگوں کو ملی ہوئی تھیں ان میں سے بہت سی رجسٹری شدہ نہیں تھیں ۔ ساہو گورنر شیخ امام دین اور شیخ غلام محی الدین عطیوں کے سلسلہ میں از حد مسرف تھے بالخصوص موخر الذکر جس نے ہر دلعزیزی کے خیال سے سکھ عہد حکومت کے خاتمہ پر اراضی کے وسیع خطے لوگوں میں تقسیم کر دیئے ۔ جونہی کہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اپنی قلمرو کا چارج لیا ۔ اس نے ایک عام تحقیقات شروع کرا دی ۔ جاگیردار اور دوسرے اراضی دار بہت مشتعل ہوئے ۔ اور انہوں نے شدت سے شکایت کی ۔ کہ مہاراجہ ان کے قدیمی املاک کو چھیننے لگا ہے ۔

ٹیلر جس نے علیحدہ تحقیقات سرانجام دی بیان کرتا ہے کہ مہاراجہ کا رجحان طبع انصاف اور معقول پسندی پر مبنی تھا اس کا مدعا یہ تھا ۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے کاشتکاروں کے طور ابتدا کی ہے ۔ اپنی کاشتی اراضیات کو جاگیریں بنانے کی کوشش نہ کریں ۔ اور یہ جاگیر جونہی کہ انہیں دی جائے اس پر قبضہ جما لیا جائے ۔ اور یہ کہ وہ جاگیردار جنہیں ایک ایکڑ دی گئی ہو ۔ انہیں واحد سنار پر دو ایکڑ کی اجازت نہ دی جائے اور یہ کہ غداری ۔ بغاوت اور بدچلنی کی صورت میں جاگیریں ضبط قرار دی جائیں ۔ بیگار یا جبری مزدوری کے مسئلہ پر بھی جو اس وقت وسعت

کے ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ اور اہل ملک کے لئے بہت بڑی قابل ازالہ تکلیف کا باعث بنا ہوا تھا۔ مہاراجہ نے توجہ مبذول کی۔ اس کا خیال یہ تھا کہ ہر گاؤں میں ایک خالص تعداد تعین کی جائے جنہیں گورنمنٹ کی دعوت پر مزدوری کرنی پڑے۔ اور اس خدمت کے صلہ میں انہیں چاولوں کا ایک خروار ہر ماہ اور خوراک دی جائے۔ جبکہ ان سے کام لیا جائے۔ جن لوگوں سے بیگار کا کام نہ لیا جائے انہیں سال بھر میں صرف چھ خروار چاول دیئے جائیں۔ چنانچہ اس کام کا چارج لینے کے لئے ایک آفیسر مقرر کیا گیا۔

ایک اور ضروری اصلاح جو مہاراجہ نے اختیار کی۔ وادی کشمیر میں چاولوں کا ذخیرہ رکھنا تھا۔ کشمیر کا ملک بوجہ اپنی انتہائی دشوار گزاری اور بھاری باربرداری کی ناقابل عبور مشکلات کے اچانک قحط سالی کا شکار بوجہ فصل چاول کے نہ ہونے سے یا بازار اجناس کی خرابی کے ہو جایا کرتا تھا۔ اس صورت حالات کے انتظام خاطر مہاراجہ نے چاول کی واحد ملکیت شدت کے ساتھ اختیار کی۔ اور لوگوں کے ہاتھ میں اسے مقررہ قیمت پر بیچنے کی کوشش کی۔ گو اس سسٹم کی بدولت زبردست شکایات پیدا ہو گئیں۔ بالخصوص اجناس داروں کی طرف سے۔ لیکن اسکی پیشبندی ظاہر تھی۔ اس ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ گذشتہ جنگ عظیم کے عین بعد ریاست کشمیر کو گلاب سنگھ کے اس پرانے دستور کو اختیار کرنا پڑا۔ اور ریاستی قبضہ اجناس کے سسٹم کو از سر نو قائم کر دیا۔

ایک اور سنجیدہ مسئلہ جس کی طرف مہاراجہ کو اپنی سرگرم توجہ مبذول

کرنی پڑی محکمہ شال لبافی کی جدید تنظیم تھی۔

شال کا محکمہ ایک کنٹرولر کے زیر انتظام تھا۔ جس کے ماتحت نقدی کارخانہ دار تھے۔ ایک نقدی کارخانہ دار یا فیکٹری کا مالک بالعموم صاحب حیثیت ہوتا ہے۔ اس کے ماتحت شاگرد یا اجرت دار کام کرتے ہیں جنہیں وہ فرداً فرداً تنخواہ دیتا ہے۔ اور ان کا سامان وہ خود مہیا کرتا ہے۔ یہ کارخانہ دار اسٹیٹ کے روبرو ذمہ دار ہوتا ہے

۱۸۳۳ء سے پیشتر شال پر ٹیکس ۳ فی روپیہ کے حساب سے سال میں تیار شدہ اور مہر زدہ تمام چیزوں پر لیا جاتا تھا ٹیکس نامناسب قرار دیا گیا۔ اور ۱۸۴۰ء میں جرنیل میاں سنگھ نے ماہانہ ٹیکس کی معینہ مقدار قائم کی۔ جس کی ادائیگی ہر دکان کو کرنی ہوتی۔ باج مذکورہ کی تعین ۴۶ روپیہ سالانہ کے حساب سے کی گئی اور اسے ۱۰۰۰ دوکانوں پر عائد کیا گیا۔ اس سسٹم کو شیخ غلام محی الدین نے بھی جاری رکھا۔ گو ٹیکس کی مقدار ۱۲۰ روپیہ فی دُکان کے حساب سے ستنزاد کردی گئی۔ جب مہاراجہ نے نظم ونسق کو ہاتھ میں لیا۔ تو اس نے اس سسٹم کی اصلاح کردی۔ اور کاریگروں کی تعداد ازسرِ نو محسوب کی۔

نئی دوکانوں پر گلاب سنگھ نے چند ابتدائی سالوں کے لئے صرف نصف ٹیکس عائد کیا۔ ۱۸۴۷ء میں کارخانہ داروں نے مہاراجہ سے درخواست کی۔ کہ کاریگروں کی تعداد کو سالانہ شمار کیا جایا کرے نذرانہ میں تخفیف کردی جائے۔ کاریگروں کی اُجرت صاف طور پر معین کردی جائے۔ اور ان کے لئے ایک مقررہ آئین نافذ فرمایا جائے

دوسری نہایت اہم اصلاحات جو مہاراجہ نے اپنے کشمیر پہنچنے کے ساتھ ہی شروع کر دیں حسب ذیل تھیں۔

اولاً۔ مہلت کے دستور کی تنسیخ جس کی رو سے حسابات چودہ ہوں مہینے تک جاری رہتے چلے جاتے۔ اور ثانیاً غیر ضروری ٹیکسوں مثلاً چونیبا کا ازالہ۔

زیر نفاذ سسٹم کی رو سے کاریگروں کو اپنے مالک بدلنے کی اجازت نہیں تھی۔ علاوہ ازیں انہیں گھٹیا اجرت دی جاتی تھی۔ اور در حقیقت اُجرت جو میاں سنگھ کے زمانہ میں مقرر کی گئی۔ مہاراجہ کے عنانِ حکومت سنبھالنے کے وقت تک نافذ تھی۔ جب مہاراجہ کا کشمیر آنا ہوا۔ تو اس قسم کی شکایات اس کے سننے میں آئیں۔ کہ کارخانہ دار کاریگروں کو باقاعدہ ادائیگی نہیں کر رہے۔ لہٰذا اس نے ان کی اُجرت ۵ ½ فی روپیہ کے حساب سے بڑھا دی۔ اور ساتھ ہی کاریگروں کو پابند کر دیا کہ وہ کام کی مقررہ کم از کم مقدار پوری کریں۔ ۶ جون ۱۸۴۷ء کو کاریگروں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اور ان میں سے تقریباً ۴۰۰۰ لاہور کی جانب روانہ ہو گئے مہاراجہ نے انہیں بتلایا کہ ان کی شکایات کی تحقیقات کی جائیگی۔ بشرطیکہ وہ کام پر واپس آ جائیں۔ چنانچہ اس مشورہ پر انہوں نے عمل کیا۔ اور مہاراجہ نے ان کے معاملہ کی تحقیقات کھلے دربار میں کی۔ اور جولائی ۱۸۴۷ء میں محکمہ شال کے انتظام خاطر ایک جدید سسٹم نافذ کیا۔ اس نئے آئین کی رو سے قید یا قانون جو شاگردوں کو ایک ہی ماسٹر کی کارگذاری کا پابند کرتا تھا۔ منسوخ

کر دیا گیا۔ اور کاری گروں کو آزادی ہوگئی۔ کاریگروں کی کم از کم مزدوری چار آنے فی پرو مقرر کی گئی۔ باج کے طریق کو منسوخ کر دیا گیا۔ اور ٹیکس صرف تکمیل یافتہ اشیاء پر عاید کی گئی۔ باج جو گورنمنٹ کو دوران سال میں واجب الادا تھا۔ اس کے لئے نہایت آسان انتظامات کر دیئے گئے۔

محکمہ شال کی تجدید انتظام ایک بھاری کامیابی تھی۔ کیونکہ جدید سسٹم میں حسب ذیل خوبیاں تھیں۔

(۱) بافت سسٹم نے اس امر کو متیقن کیا کہ ٹیکس کی تعیین شال کی بازاری قیمت کے مطابق کی جائے۔

(۲) کارخانہ دار کو صرف اس کارگذاری کے مطابق ادائیگی کرنی پڑتی۔ جو دوکان میں زیر عمل آئے۔

(۳) شاگرد کسی مزید عرصہ کے لئے زرخرید نہ رہا۔

اس قسم کی عظیم الشان انتظامی اصلاحات ملک کی خوشحالی کا موجب بنیں۔ اور گلاب سنگھ اس قابل ہوا۔ کہ اپنی توجہ اصلاح فوج کی طرف مبذول کر سکے۔ اسکی افواج کی اہلیت تسلی اور شانتی کا مسئلہ ہمیشہ اس کے غور و فکر کو مصروف کئے رہتا۔ اور جونہی کہ وہ مضبوطی کے ساتھ تخت پر مسلط ہو گیا۔ اس نے اپنی توجہ ان امور پر لگائی۔ سامان حرب کے کارخانے ریاست میں قائم کئے گئے۔ قلعوں کی مرمت کی گئی۔ اور وہاں میں فوج متعین کی گئی۔ پہاڑی فوج جس پر اسکی حقیقی طاقت کا دارومدار تھا۔ رجمنٹوں میں منظم کی گئی۔ اور فوجی ہدایات اور احکام

کا ضابطہ مرتب کیا گیا۔ اس امر کا نوٹ کر لینا خاص دلچسپی کا باعث ہے کہ بجائے فوجی کمان میں انگریزی الفاظ کے استعمال کے مہاراجہ نے سنسکرت الفاظ وضع کئے۔ اس نے رجمنٹوں کے نام بھی ہندو روایات کے مطابق رکھے۔ مثلاً ان ناموں کے نمونے یہ تھے۔ گوردھن رجمنٹ۔ رگھوناتھ رجمنٹ۔ اور لچھمن رجمنٹ۔ اسکی افواج کی قابلیت کو تمام ناظرین نے تسلیم کیا۔ اور گلگت کی سرحد پر وہ ایک سے زیادہ بار دشوار مہموں کے موقع پر آزمائش میں پوری اُتری۔ حقیقت یہ ہے کہ سرحد مذکور کے واقعات نے اسکی تخت نشینی کے جلد بعد نازک صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ دوسری سکھ جنگ کے بعد اسکی توجہ بیشتر رقبہ مذکور کی دقتوں پر مبذول رہی۔ اب ہمیں اس علاقہ کے واقعات کی رفتار کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ہندوستان کے تحفظ میں ان دنوں سرحدِ گلگت کو اہم پوزیشن حاصل ہے۔ لیکن گذشتہ صدی کے وسط میں جبکہ روس ابھی سرحد ہندوستان سے بہت دور تھا۔ سقفِ دنیا پر اس پہاڑی علاقہ کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ دریائے سندھ کی شمالی اور مغربی جانبوں کا رقبہ عرصہ سے خود مختار اور ناقابل انتظام مسلمان قبائل کے قبضے میں چلا آیا ہے۔ مذکورہ قبائلی فریق جو وقتاً فوقتاً ایک دوسرے سے برسر پرخاش رہتے تھے کسی حکمران کو تسلیم نہیں کرتے ان میں سے اہم ترین خوش وقت علاقہ کے قبائل ہیں۔ جن کا سردار ان دنوں مہتر چترال ہے۔ بحالیکہ دوسرے ضروری سردار ہنزا اور نگر کے میر اور پنیال کا راجہ ہیں۔ ۱۸۴۱ء میں اس سرحد نے

ایک ایسے انقلاب کا مشاہدہ کیا۔ جو جنگجو وصف کی قبائلی اقوام میں مدافعت کا حکم نہیں رکھتا۔ غور رحمٰن یعنی ملک امام کے سب سے بڑے بیٹے اور امام الملک مہتر چترال کے بہنوئی نے گلگت پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ اور اس کے حکمران کو قتل کر دیا۔ اس پر مرحوم راجہ کے بھائی کریم خان نے کشمیر کے سکھ گورنر سے اعانت طلب کی۔ سکھوں نے جو وسط ایشیا میں اپنے علاقہ کی توسیع میں کاہل نہیں تھے۔ ایک قابل جرنیل سید نتھو شاہ گوجرانوالوی کو ایک طاقتور فوج کی ہمراہی میں کریم خان کی امداد پر بھیج دیا۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں نتھو شاہ نے استور پر قبضہ کر لیا۔ اور غور رحمٰن کو شکست ہوئی۔ گو نتھو شاہ کو کچھ عرصہ کے لئے واپس بلا لیا گیا۔ جبکہ غور رحمٰن نے سکھوں کو شکست دی۔ مگر اسے پھر واپس بھیج دیا گیا۔ اس نے سرحد کو کامیابی کے ساتھ پُر امن بنا دیا۔ اور غور رحمٰن اور ہنزا اور نگر کے میروں کی لڑکیاں شادی میں حاصل کیں۔ کریم خان کے حصہ میں جس نے اپنی بحالی کے لئے سکھوں سے اعانت طلب کی۔ کچھ نہ آیا۔ اور گلگت پر سکھوں نے مستقل طور سے قبضہ جما لیا۔

سنہ ۱۸۵۱ء میں سرحد نے پھر سے بغاوت اختیار کی۔ چلاسیوں نے مہاراجہ کے ہزارہ کے مقبوضات لوٹنا شروع کر دیئے۔ چونکہ مہاراجہ مذکور ان دنوں جموں میں تھا۔ اور سردی کا موسم قریب آ رہا تھا۔ اس نے خود کو ایک انتقامی مہم کی تیاری تک محدود رکھا۔ چنانچہ سنہ ۱۸۵۲ء کے موسم بہار میں دیوان ہری چند۔ کپتان بجے سنگھ۔ کرنیل جواہر سنگھ اور دیوان ٹھاکر داس کے ماتحت ایک زبردست سپاہ ارسال کی گئی۔ جونہی کہ سردی کا زمانہ ختم

ہوا۔ چلاس کا احاطہ اور محاصرہ کر لیا گیا۔ چلاس کا قلعہ قدرتاً نا قابل عبور پوزیشن رکھے ہے۔ اور مہاراجہ کی فوج کو اس کا محاصرہ کرنے میں سخت وقت کا سامنا ہوا۔ یہ ملک نہایت بنجر ہے۔ اور فوج کو مجبوراً کشمیر کے سامانِ رسد پر انحصار رکھنا پڑا۔ مگر یہ سامان جلد ختم ہو گیا۔ اور چند ہفتوں کے دوران میں ۵۰۰ سے زائد آدمی بھوکوں مر گئے۔ سپاہ میں کھلبلی سی برپا ہو گئی۔ اور مصنف گلاب نامہ" کے بیان کے مطابق سپاہی درختوں کے پتے اور چھلکا کھانے پر مجبور ہو گئے۔

لیکن ڈوگرہ سپاہی کی مشقت پسندی ان دقت آمیز حالات میں روزِ روشن کی طرح چمکتی رہی۔ مہاراجہ کی صحت ان دنوں سخت خراب تھی۔ اور اسے مادالاعصاب کا مرض لاحق ہو رہا تھا۔ اور اپنی فوج کے مقدر کی تشویش سرحدِ مذکورہ پر اس پر نمایاں اثرات مترتب کر رہی تھی۔ لیکن اس خرابیٔ صحت کے باوجود جب چلاس کے بالمقابل فوج کی خطرناک پوزیشن کی اسے اطلاع ملی۔ تو اس نے حکم دیا۔ کہ اسکی روانگی کی تیاری یک لخت شروع کر دی جائے۔

جب مذکورہ تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تو دربار کا نجومی مہاراجہ کے حضور میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔" جہاں پناہ! قلعہ قبل ازیں مسخر ہو چکا ہے اور سپاہ کے پاس آب و رسد کی کافی مقدار موجود ہے۔

مہاراجہ جو اس لظاہر بیوقت مزاح سے مشتعل ہو گیا کہنے لگا۔

" تمہارا پیٹ تو بھرا ہے۔ لیکن میرے سپاہی بھوکے ہیں اور مر رہے ہیں۔ میں تمہاری بات پر کیسے یقین کر لوں"۔

نجومی نے عرض کی" اگر میں برہمن ہوا اور اپنے باپ کا بیٹا ہوا۔ تو آپ کو ابھی خبر پہنچ جائے گی"

اس پر نجومی نے انتظار نہ کیا اور وہ گھر چلا گیا۔ اسکی پیشگوئی صحیح نکلی۔ مہاراجہ خوش ہوا۔ اور نجومی کو جاگیریں عطا کیں۔ جواب تک اس کی اولاد کے پاس ہیں۔

ڈوگرہ فوج کی تسخیر چیلاس کی کہانی جس کا ناطقہ اس قدر بند ہو چکا تھا۔ دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہ قلعہ ایک مرتفع پہاڑی پر واقع ہے ڈوگرہ کمانڈر نے حکم دیا۔ کہ ایک بڑا سا سوراخ کر دیا جائے اور کوئیں کا تمام پانی خشک جائے اس طرح چلاسیوں نے اپنے واحد [illegible] آب سے محروم ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ ان کے سرکردہ یرغمال لائے گئے۔ جنہوں نے مہاراجہ کے تسلط کو قبول کر لیا۔ اور اپنے بیٹے بطور کفالت کے وہاں چھوڑ دیئے۔ تاہم عناد و پرخاش کا دائرہ چیلاس تک محدود نہیں تھا۔ گلگت میں بھی دقت کا ظہور جلد ہو گیا۔ سرحد پر کشمیر کی افواج تین جگہوں پر متعین تھیں گلگت میں بونجی میں اور استور میں۔ گلگت کی اصل سپاہ بھوپ سنگھ کے زیر کمان تھی۔ گوہر رحمٰن نے بونجی اور استور کے دو قلعوں کا گھیرا کر لیا۔ قلعہ کی فوج جس نے ہلہ کر دینے کی کوشش کی منقطع کر دی گئی۔ اور بھوپ سنگھ کی احتیاطی سپاہ جو اعانت میں ارسال ہوئی۔ کامل طور پر ہلاک کر دی گئی۔ استور کی سنت سنگھ کی اصل سپاہ میں سے صرف ایک گورکھا عورت جانبر ہو سکی۔ اس بہادر عورت نے خود کو دریا میں ڈال دیا۔ جو قلعہ گلگت کے نیچے بہتا ہے۔ اور دریائے سندھ کے پار تیر تی ہوئی اس غمناک حکایت کی اطلاع کے لئے کشمیر پہنچ گئی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ

نے انعام میں اسکی پنشن لگا دی۔ ۱۸۵۱ء میں تبتی سرحد پر بھی مشکلات رونما ہوئیں۔ تبت کے تاجرانہ قافلے قدیم دستور کے مطابق جسکی بحالی کا مہاراجہ نے وعدہ دے رکھا تھا۔ مفت بار برداری کے مستحق تھے۔ لداخ کے زمینداروں نے جواب تبتیوں سے خائف نہیں تھے۔ قافلوں کی مفت خدمت بجالانے سے انکار کر دیا۔ لامائے اعظم نے اس وعدہ خلافی کے خلاف احتجاج کیا۔ اور اور مسئلہ کے تصفیہ کے لئے دو کارپن پاصو بجاتی گورنر ارسال کئے۔ ذیل میں اس معاہدہ کا ترجمہ ہے۔ جو اس ضمن میں مہاراجہ اور دلائی لاما کے نمائندوں کے مابین طے پایا۔ مورخہ ۳ ماہ سال بیل آبی (مطابق ۱۸۵۲ء) لداخیوں کے اس انکار پر کہ وہ تبتی گورنمنٹ کے "تاجرنیگ گیوری" کو بوجہ گھٹیا تجارت چائے کے' بار برداری کے جانور مہیا نہیں کر سکتے گارمپون کے نیرپا پس اس معاملہ کی تحقیقات کے لئے اور لداخ اور تبت کے مابین کے سرحدی اختلافات کو مٹانے کے لئے ارسال کئے گئے۔ اس ضمن میں بستی رام لداخی تھانیدار اور کیلون رینزن شمولیت اپنے نوکر بیتی دنگیال کے مابین ایک ملاقات منعقد کی گئی اور حسب ذیل معاہدہ قرار پایا۔

آئیندہ کیلئے لداخی لوگ تبتی گورنمنٹ تاجروں کو بغیر کسی تامل کے معمولی ضروریات بار برداری مہیا کریں گے۔ سر لوگ گے گارپن اپنی گورنمنٹ سے صرف فہیم اور قابل اشخاص کے تقرر کی سفارش کریں گے جو سالانہ خراج تبت کو بھیجا کریں۔ لداخی لوگ تبتی گورنمنٹ کے تاجروں کو حسب معمول رہائشی مکان اور نوکر چاکر مہیا کریں گے اور قدیم دستور کے مطابق انہیں مزید اعانت دیا کریں گے۔ گارپن اس

اس مضمون کے حکم صادر کیا کریں گے۔ کہ چائے اور اونی اشیاء جو
ناگری میں وارد ہوں۔ صرف لداخ کو بھیجی جایا کریں گی۔ نہ کہ کسی اور
اور جگہ بھی تبت اور لداخ کی درمیانی سرحد حسب دستور سابق رہے
گی۔ رودوک کے لوگ نمک اور اونی اشیاء کی برآمد اور جو اور
جو کے آٹے کی درآمد پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کریں گے
کوئی فریق موجودہ قواعد کی خلاف ورزی نہیں کریگا۔ اور محصول چونگی
اور بازاری اشیاء کی شرحیں ہر دو متعلقہ فریق مقرر کیا کریں گے۔
محولا بالا قواعد کا اطلاق رودنگپاؤں (یعنی باشندگان علاقہ وادی) پر
بھی ہوا کرے گا۔ شمالی اور مغرب کے نوواردوں کو جو رودنگ کے
راستے آئیں۔ تھانیدار پروانہ راہداری دیا کریں گے۔ ایسے لوگوں پر
محصول چونگی عائد کیا جائیگا۔ جو ان کے پروانہائے راہداری میں ثبت
ہو۔ اگر ان میں سے کوئی پروانہ راہداری پیش نہ کر سکے۔ تو اسے
تمام مقدار سے پچاس گنا تاوان دینا پڑیگا۔ اس قسم کی وصولیاں
جو افسران چونگی کریں۔ ان کے خلاف کسی مقدمہ کی سماعت نہیں
ہو سکے گی۔ تمام اہم امور کے فیصلہ خاطر حکمران ہر دو جوانب کے اوضاع
اطوار اور رواجات کو ملحوظ رکھیگا۔ اور باربرداری وغیرہ کے مہیا کئے
جانے کے متعلق قدیم سے قائم شدہ قواعد کی پابندی کریگا۔ اور ان
چراگاہوں میں مویشی چرانے کیلئے جو گورنمنٹ تاجروں کے مویشی چرانے کی خاطر وقف
ہوگی۔ لیکن لوگوں کو اس رعایت کے ناجائز استعمال کی اجازت
نہیں ہو گی۔ کہ وہ بیرونجات سے مویشی لائیں اور یہاں آ کر چرائیں
ہر دو فریق نہایت سختی کے ساتھ اس معاہدہ کی پابندی کریں گے

جو ہنت اور سنگپاؤں (یعنی کمشنروں) کے مابین منعقد ہوا ہے۔ اور ہر دو سر ہلدی آفیسر کامل اتحاد اور باہمی امداد کے ساتھ کام کریں گے معاہدہ مذکور کی دو نقلیں مرتب کی گئی ہیں اور اس پر تھانیدار صاحب بستی رام اور گاہنوں کے کیلون رینیرن طاؤ نایر ہیں کی مہر ثبت کی گئی ہے۔ گواہ شد پیشے ڈنگیال پرابوہٹ ملازم کیلون رینیرن ہے۔

ہم قبل ازیں گلاب سنگھ کی انتظامی اصلاحات کا تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس کے طریقے بلاشک وشبہ ازمنۂ وسطیٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اس نے ملک کی عادلانہ حکومت کی خاطر نہایت محنت پسندی سے کام لیا۔ سر ہنری لارنس کے الفاظ میں گلاب سنگھ کا انتظام حکومت نرمی دلجوئی اور علاوہ ازیں رحمدلی پر مبنی تھا وہ ذاتی طور پر تمام معاملات پر توجہ دیتا۔ خواہ وہ معمولی ہوں۔ یا غیر معمولی۔ ایک انگریز مصنف نے جسے ریاست کے حالات خوب معلوم تھے۔ گلاب سنگھ کے طریقہائے حکومت کو یوں بیان کیا ہے "آدمی ہر وقت اس کے پاس جا سکتا اور وہ شکایات کی سماعت میں تحمل اور مستعدی کا ثبوت دیتا ..... وہ تفصیلات میں بہت توجہ دیتا۔ حتےٰ کہ چھوٹی سے چھوٹی بات ان کے سامنے پیش ہوتی۔ اور اس کی توجہ کو حاصل کرتی۔ صرف ایک روپیہ کے معمولی نذرانہ سے ہر شخص اپنی بات اس کے گوش گذار کر سکتا۔ اور ہجوم تک میں ایک شخص روپیہ دکھلانے اور یہ الفاظ پکارنے سے اس کی آنکھ کو جذب کر سکتا۔ کہ "مہاراجہ عرض ہے" وہ روپیہ پر عقاب کی

مانند لپکتا۔ اور اسے اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے صبر و تحمل کے ساتھ سائل کی کامل سماعت کرتا۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے اس طریق پر شکایت کرتے ہوئے جبکہ مہاراجہ روپیہ لے رہا تھا۔ اپنی مٹھی بند کر لی۔ اور کہنے لگا۔ "حضور! پہلے میری عرض سُن لیجیے۔ اور پھر روپیہ کی فکر کیجئے گا۔ مگر یہ الفاظ بھی گلاب سنگھ کے صبر و تحمل سے بالا نہیں تھے۔ اور اس نے سائل کی شکایت سننے تک انتظار کیا۔ حتیٰ کہ اس نے مٹھی کھولی۔ اور مہاراجہ نے روپیہ لے کر دعویٰ کے متعلق حکم صادر کیا۔ مہاراجہ کو بار بار اعصاب کے مرض کی شکایت عرصہ طویل تک رہی اور اس نے ڈاکٹر ہونی برگر سے تجویز کی۔ کہ وہ اس کی ملازمت اختیار کرے۔ اور سرینگر میں طبیب خاص کے طور پر رہے۔ مگر ڈاکٹر موصوف آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ انقضائے وقت کے ساتھ مرض بڑھتا گیا۔ اور ۱۸۵۶ء میں گلاب سنگھ کی صحت خراب ہونے لگ گئی۔ نتیجتہً اس نے نظم و نسق سلطنت کو اپنے واحد زندہ لڑکے رنبیر سنگھ کے سپرد کر دینے کا فیصلہ کیا۔ اور دُنیا کے معاملات سے کامل یکسوئی اختیار کرنا چاہی۔ چنانچہ فروری ۱۸۵۶ء میں اس نے باقاعدہ طور پر رنبیر سنگھ کو گدی پر بٹھلا دیا۔ اور خود گورنر کشمیر کی حیثیت قبول کر لی۔ اور خاموشی سے زندگی بسر کرنے کے لئے سرینگر کو روانہ ہو گیا۔ لیکن سرینگر کی تنہائی میں بھی خوفناک غدر ہندوستان کی خبر نے اُسے یک لخت چونکا کر دیا جونہی کہ مذکورہ خبر اسے پہنچی۔ اس نے دیوان جوالاسہائے کو حکم

دیا کہ وہ فی الفور راولپنڈی کو روانہ ہو جائے اور اس کے نام پر انگریزی گورنمنٹ کے ہاں ریاست کے تمام ذرائع پیش کردے اسے خاص طور پر حکم دیا گیا۔ کہ ان تمام یورپین خواتین کو عام مہمان نوازی پیش کرے۔ جو میدانی علاقہ کو چھوڑنا چاہیں۔ اس کی فوجی اور مالی اعانت کی پیش کش قبول کرلی گئی۔ اور مہاراجہ رنبیر سنگھ اور دیوان ہری چند کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ فوج کثیر کے ساتھ محاصرہ دہلی میں امداد کی خاطر روانہ ہو جائیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کا یہ آخری پبلک کارنامہ تھا۔ جلد بعد اس کی بیماری بد سے بدتر ہو گئی۔ اور وہ ۲۵ ساون ۱۹۱۴ء بکرمی مطابق اگست ۱۸۵۷ء کو چھیاسٹھ برس کی عمر میں راہیٔ ملک عدم ہوا۔

نواں باب

خاتمہ

سابقہ صفحات میں جو بحث کی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ گلاب سنگھ کی شخصیت ان ممتاز ترین ہستیوں میں سے تھی۔ جو سرزمین ہندوستان نے اُنیسویں صدی میں پیدا کیں۔ دوسرے لوگ بھی اٹھارہویں صدی میں ہوئے۔ مثلاً حیدر علی اور مہاراجہ سندھیا جنہوں نے اپنی زندگی گمنامی میں شروع کی۔ اور سلطنتوں اور خاندانوں کی بنیاد ڈالی۔ مگر گلاب سنگھ کی انیسویں صدی کے ہندوستان میں واحد شخصیت ہے۔ جہاں ایک فرد نے دربار کے معمولی آفیسر کے طور پر زندگی کا آغاز کیا ہو۔ اور سلطنتیں اور ملک فتح کر کے خود کو شہنشاہ کے طور پر متمکن کیا ہو۔ ایک ایسی صدی میں جو ہندوستان میں تاریخی کارناموں سے بے بہرہ ہو۔ گلاب سنگھ سیاسی ناموری کا تنہا مجسمہ نظر آتا ہے ہندوستان بھر میں مسلّم ہونے کے لئے اس کا یہی ایک

استحقاق نہیں۔ بلکہ گلاب سنگھ ہندوستان کی طویل تاریخ میں واحد حکمران ہے۔ جس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس نے ہندوستان کی جغرافیائی حدود کو وسعت بخشی۔ اس کی لداخ کی فتح اور الحاق جسے ہم کسی سابقہ باب میں بیان کر چکے ہیں۔ ایک ایسا کارنامہ ہے جو اس کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تاریخ ہند میں ثبت کرتا ہے کسی ہندو حکمران نے بلکہ سمندر گپت اور اکبر جیسوں نے بھی تبت پر حملہ کرنے کا کبھی خیال تک نہیں کیا تھا۔ اور گو زورآور سنگھ جس نے ہمارے بزرگ کی پیشقدمی کی اپنے اقدام کا خمیازہ بھگت لیا۔ مہاراجہ کی افواج نے تبتی سپاہ کو تہ و بالا کر دیا۔ اور سرحد ہندوستان کو کوہستان ہمالیہ کے درے تک بڑھا دیا۔

اس امر کا دعوٰی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ مہاراجہ نے ان نتائج کی تحصیل ایسے طریقوں سے کی ہے۔ جو ہمیشہ نکتہ چینی سے بالا رہے ہوں۔ گلاب سنگھ کوئی فرشتہ تھوڑا ہی تھا۔ جہاں اس کے مفاد متقاضی ہوتے۔ اسے ایسے حیلہ و فریب کے اختیار میں تامل نہ ہوتا۔ جو عام زندگی میں ہتک آمیز خیال کئے جاتے ہوں اسکی تربیت ایک سخت درسگاہ میں ہوئی تھی۔ جہاں جھوٹ سازش اور مکاری سب کے سب سیاسیات کا لابدی جزو سمجھے جاتے تھے۔

گلاب سنگھ بلا شک و شبہ ایک موقع شناس تھا۔ جو موقع مطابق جرات آمیز اقدام یا دست کشی کے لئے تیار رہتا۔ اور خود کو ناقابل تلافی جان جوکھوں میں اپنے قدم متقین کئے بغیر نہ

ڈالتا۔ جب کوئی دوسری راہ کھلی نہ ہوتی۔ تو وہ باعزت متابعت کا خواہاں ہوتا۔ گفت وشنید پر رضامند ہو جاتا۔ جب اس میں فائدہ دیکھتا۔ اور اگر وہ اپنا کام نکلتا دیکھتا۔ تو زر سے مفاہمت بھی گوارا کر لیتا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا۔ جو پہلی مخاصمت پر ہی ہتھیار ڈال کر لپک پڑیں۔ بحیثیت ایک ماہر کمانڈر اور عمدہ سپاہی کے اسے احساس تھا۔ کہ جنگ محض پالیسی کا دست دباز و ہے۔ اور وہ برسر پرخاش نہ ہوتا۔ تاوقتیکہ اسے کامیابی کا یقین نہ ہو جاتا۔ گو وہ بات خود کھلے میدان میں آ نکلنے کے معاملہ میں بڑا محتاط تھا۔ لیکن اس کی جرأت میں قطعاً شک نہیں لایا جا سکتا تھا۔ شیر سنگھ کی فوج کے مقابلہ پر اس کا شہر لاہور کا شاندار تحفظ۔ مقام ملتان کی زبردست گولہ باری کے مقابلہ میں اس کا گھوڑا پر جست لگانا۔ اور اس قسم کی کئی دوسری مثالیں جو سابقہ ابواب میں دی گئی ہیں۔ اس دعویٰ کو ثابت کرتی ہیں۔ لیکن اسے اپنی سیاسی مہارت میں بڑا یقین تھا۔ اور وہ اپنے منصوبوں کی کامیابی خاطر بہ نسبت فوج کے اسی قابلیت پر اعتماد رکھتا تھا اسی طرح اس کے دشمن تک اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہ دربار لاہور کے دوسرے اشخاص سے کوئی گھٹیا نہیں تھا۔ کیپٹن کننگھم جس کی نگاہ میں گلاب سنگھ کا نام پھٹکار سے کم نہیں تھا رقمطراز ہے:۔

اس موقع کے دوران میں راجہ گلاب سنگھ کے غیر دیانتدارانہ کیرکٹر کی طرف اشارہ کرنے کا ایک سے زیادہ بار اتفاق ہوا ہے۔

لیکن اس وجہ سے یہ بات فرض نہیں کر لینی چاہیئے کہ وہ اعتدال کا بدخواہ تھا - بلا شک و شبہ وہ دشمن کی آنکھوں میں خاک ڈالیگا - اور اس کی زندگی کا خاتمہ بلا تامل کر دیگا - اور فراہمی زر کے ضمن میں وہ بہت سی جابرانہ حرکات کر گذریگا - لیکن اسکی شخصیت کا اندازہ ہمیں اس کے زمانہ اور فعل کی اخلاقی حالت کی روشنی میں کرنا چاہیئے اور اسے خود اسکی اپنی پوزیشن کے حوائج کے ماتحت جانچنا چاہیئے اور اگر ان باتوں کی گنجائش رکھ لی جائے - تو گلاب سنگھ ایک قابل اور معتدل انسان نظر آئیگا - جو کاہلی یا آوارگی میں وقت نہیں گذارتا - اور جس کی ذات ذوق پسندیدہ اور دنیا جنیئے طبع کے نقش لئے نظر آتی ہے"

سر ہنری لارنس جو گلاب سنگھ کو خوب اچھی طرح جانتا تھا اس کے کیریکٹر کے متعلق حسب ذیل بے لوث رائے قائم کئے ہے

" مجھے اس امر میں کوئی شک نہیں کہ مہاراجہ گلاب سنگھ ناخوشگوار کریکٹر کا آدمی ہے لیکن اگر ہم ملکی سرداروں سے کمال کی توقع رکھیں تو یہ خیال باطل ہے - میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں - کہ جو کچھ اس کی ذات کے متعلق کہا سُنا گیا ہے - اگر تمام کا تمام نہیں - تو کم از کم اس کا ۔ ۔ ۔ بہت حصہ - ہندوستان کے کسی حکمران یا سردار کے متعلق صادق آسکتا ہے - اسکی ذات میں بیشمار اوصاف ہیں - جو ان میں سے تھوڑے لوگوں کی ذات میں موجود ہیں - مثلاً جرات - کوشش - عمل اور ذاتی خلوص جس طریق سے اسے گمنام رسالوں میں مشکوک قابل تنفر گردانا اور بدنام کیا

گیا ہے۔ وہ ہمارے لئے ازبس باعث ذلت ہے

درحقیقت سر ہنری لارنس اس کا اس قدر پختہ حامی تھا۔ کہ اسے اسکی خاطر گورنر جنرل کے ساتھ پرخاش برپا کرنے میں بھی کوئی تامل لاحق نہ ہوا۔ سر ہنری لارنس کی مدافعتِ گلاب سنگھ نے لارڈ ڈلہوزی کے مزاج کو مشتعل کر دیا۔ اور اس کا نتیجہ گرم اختلاف کی صورت میں مترتب ہوا جس کا خاتمہ بالآخر صرف گورنر جنرل کی چٹھی مورخہ ۱۸ ر فروری ۱۸۴۹ء سے ہوا۔ جسمیں اس امر پر اتفاق کیا گیا۔ کہ اس مسئلہ کو رائے کے دیا نتدارانہ اختلاف پر محمول کیا جائے۔

سر جارج کلارک بھی جسے گلاب سنگھ کو جاننے کے یکتا مواقع حاصل ہوئے۔ اس کے متعلق یہی رائے رکھتا ہے۔

یہ امر کہ گلاب سنگھ شریف اور فیاض تھا۔ وہ تمام لوگ تسلیم کریں گے۔ جو اسکی زندگی کا حال بغور پڑھیں گے۔ وہ اپنے نوکروں کو فیاضی کے ساتھ انعام واکرام دیتا۔ وہ عطیے اور جاگیریں جو اس نے اپنے خدمت گزاروں کو دیں۔ اس حقیقت پر آج بھی شاہد ہیں۔ یہ امر کہ وہ جوالا سہائے، زورآور سنگھ دیوان ہری چند ایسے اور دوسرے لوگوں میں وفاداری اور اعتماد کی روح پھونکنے کے قابل تھا۔ اس حقیقت کا مظہر ہے۔ کہ اسے ان لوگوں پر زبردست تصرف حاصل تھا۔ اپنی شدید خود غرضی کے باوجود وہ دربار لاہور کا دلی وفادار بنا رہا۔ اس بات کو بآسانی تسلیم کر لیا جاسکتا ہے۔ اس کے ہاں دربار لاہور سے استغناء

کی کافی وجہ موجود تھی۔ لیکن جب دربار مذکورہ عازم جنگ ہوا۔ تو وہ اسی کا پہلو اختیار کئے رہا۔ اور کننگھم بھی اس امر پر متفق ہے۔ کہ گلاب سنگھ جس بات کو خاتمہ جنگ پر خود مختار حکومت سے بھی بڑھ کر پسند کر سکتا تھا۔ وہ دلیپ سنگھ کا نائب ایجنٹ بننے کی خواہش تھی۔ یہ محض اس موقع پر تھا۔ جبکہ لال سنگھ کی سازشوں نے اس صورت حالات کو بالکل ناممکن بنا دیا۔ کہ وہ خود مختاری کے پہلو کی طرف متوجہ ہوا۔

اس کا عدل وانصاف سادہ نوعیت کا تھا۔ لیکن تھا وہ کارگر۔ وہ وقتاً فوقتاً اپنی ریاست کا دورہ کرتا۔ اور نہایت بے رحمی کے ساتھ رشوت ستاں اور ظالم افسروں کو سزا دیتا۔ ان کے ساتھ نپٹنے کے گلاب سنگھ کے اختصاری طریقوں نے اسے کمینہ صفت افسروں کے لئے ہوا بنا رکھا تھا۔

گلاب سنگھ کا رجحان طبع نہایت مذہبی تھا۔ وہ سکھ دربار میں مت رد ہندو کی حیثیت سے رہا۔ جہاں اگر وہ خوشحال سنگھ کی مثال کی پیروی کرتا۔ تو وہ رنجیت سنگھ کی طرف سے زیادہ عنایات کا مورد ہوتا۔ بیشمار ہیں۔ وہ مندر جو اس نے شہر جموں میں تعمیر کرائے۔ اس نے بہت سی یاترائیں کیں۔ اور شمالی ہندوستان کے تقریباً تمام مقدس شہروں کا شمول گیا۔ پریاگ۔ بنارس اور متھرا سفر کیا۔ وہ اتنا پکا ہندو تھا۔ کہ اس نے گاؤ کشی کو ملک کے ایک سر سے دوسرے سر تک ممنوع قرار دیا۔ اپنے بستر مرگ پر اس

نے ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ انت دان یا خیرات کے آخری عطیوں میں تقسیم کئے۔

بحیثیت مجموعی گلاب سنگھ نے ایک پونتر زندگی بسر کی۔ رنجیت سنگھ کا دربار انتہا درجہ کا بدچلن تھا اور سکھ حکمران کو برسر دربار بدمست ہوکر آنے میں ذرا رائی بھر تامل نہیں تھا دربار لاہور کے اخلاق اس قسم کے تھے کہ وہ کسی مخرب عہد کو بھی ندامت میں ڈال سکتے۔ مگر گلاب سنگھ کا ان بداعتدالیوں سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اپنے زمانہ کے اوقات اور حالات مطابق وہ ایسی زندگی بسر کرتا تھا جو کسی صورت میں بھی مخرب شمار نہ کی جاسکتی۔

گلاب سنگھ کو اس وقت کے غیر معتبر وقتوں میں کبھی سونے کی اہمیت کا خواب احساس تھا۔ اور وہ محلات اور عمارات کے غیر معمولی اخراجات کو محض تضیع زر خیال کرتا۔ چنانچہ اس نے کوئی مجسمے ایسے نہیں چھوڑے۔ جو شان تعمیر میں اس کے شایاں ہوں۔

صورت وشکل میں گلاب سنگھ از بس ممتاز تھا۔ ایک ہمعصر جو اس کے حق میں متعصب نہیں تھا۔ کہتا ہے۔ کہ "اخلاق میں گلاب سنگھ نہایت نرم اور شیریں ہے۔ اس کے خط و خال پسندیدہ ہیں۔ اس کی ناک عقابی ہے۔ اور اس کے نقش گو موٹے لیکن خوشگوار ہیں۔ کاروبار میں وہ تکان کا نام نہیں جانتا۔ اور وہ ہر چیز کی نگرانی خود کرتا ہے۔ گو وہ اپنا نام لکھنے

کے قابل نہیں لیکن وہ اپنے حساب کتاب کی خود جانچ پڑتال کرتا ہے۔ اور بعض وقت اپنے گھوڑوں کا دانہ خود اپنی آنکھوں کے سامنے تلواتا۔ گلاب سنگھ اپنی رعایا کی تمام جماعتوں کے ساتھ بے تکلف ہاں مذاق اور مالوف تھا۔ میجر سمتھ بھی جو نہایت سختی کے ساتھ اس کا مخالف تھا۔ رقمطراز ہے کہ

"باوجود ان سب باتوں کے وہ اپنے سلوک میں خلیق اور متواضع تھا۔ اور وضع قطع اور گفتگو میں ایسی شائستگی کا اظہار کرتا جس کی اس کے اصل مزاج سے خوفناک حد تک متفاوت تھی:

ایک اور مصنف جو گلاب سنگھ کو بوجہ احسن جانتا تھا۔ اس کے متعلق سپاہی کی حیثیت سے حسب ذیل بیان دیتا ہے۔

"تاہم ان تمام امور کے باوجود اسے ایک بہترین سپاہی محسوب کرنا پڑتا ہے۔ اور ایک ایشیائی ناخواندہ اور غیر تعلیم یافتہ انسان کی حیثیت سے وہ ایک قابل؛ سرگرم۔ جری۔ محنتی اور ریاہیں ہمہ دانا اور زمدبر کمانڈر ہے۔ وہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم اسے تیز مزاج اور گرم طبع نہیں کہہ سکتے۔ وہ دور بینی کے ساتھ سہج سہج لیکن محکم اور مناسب کارگزاری کا اظہار کرتا ہے۔ اسے اپنے اکثر اہل ملک سے بڑھکر اپنے ذرائع اور ذخائر کا خیال ہوتا۔ وہ نسبت حال و ماضی کے مستقبل کے حوائج اور ضروریات پر زیادہ نگاہ رکھتا۔ وہ سہج سہج

بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اس اقدام میں اپنی راہ کو خوب تکتا جاتا ہے۔ وہ ہر وقت ذرائع اور ذخائر کو متعین کیا رہتا ہے وہ موقع کو بہت جلد بھانپ لیتا ہے وہ مداخلت کا زیادہ شائق ہے۔ گو موقع کی آئندہ ضروریات کے وقت وہ جارحانہ کارروائی سے بھی نہیں چوکتا۔ وہ ہتھیار کو ہمیشہ اپنا آخری حربہ استعمال کرتا ہے۔"

اس کی قوت ارادی، انسانی امور میں اسکی دقیق نظر.....

اور اپنے مقاصد میں اسکی شدت عمل، اس قسم کی باتیں ہیں جو مداح و توصیف کی مستحق ہیں۔ یقیناً اس کے انتظامی خیالات قدامت پسندی کے سے تھے لیکن وہ لازمۃً ایسا انسان تھا جس نے سلطنتوں کو مسخر اور مرتب کیا۔ اور ایسا آدمی نہیں تھا جس کی عظمت اپنے بیٹے کی طرح صرف نظم و نسق میں ہی مضمر ہو لیکن بحیثیت سیاستدان کے اسکی کارگزاری کسی طرح سے بھی معمولی نہیں تھی۔ وہ امن و امان کے قیام میں کامیاب ہوا۔ اور اس نے حکومت کا سکہ ایسے رقبہ میں جمایا۔ جو باستثنائے کشمیر ایسے طرز حکومت کے نام تک سے واقف نہیں تھا۔ وہ پہاڑی صوبہ جو آج جموں کے نام سے موسوم ہے۔ بیشمار چھوٹی چھوٹی سلطنتوں پر مشتمل تھا۔ جو ایک نہ ایک راجہ کے زیر تسلط تھیں۔ جن کے دعاوی تو یقیناً بڑے ہوتے۔ لیکن ذرائع حقیقتہً مختصر ہوتے ان تمام کا ایک حکومت کے ماتحت مجتمع کرنا۔ بلتستان اور لداخ کا مسخر کرنا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجربہ کار سیاستدانوں کے سامنے اپنا آپ سیاسی میدان میں برقرار رکھنا ایسے امور

ہیں جو اس حقیقت کو ثابت کرتے ہیں۔ کہ ایک تاریخی شخصیت کی حیثیت سے جو معصر واقعات کے مرقع پر حاوی ہو۔ گلاب سنگھ کی ٹکر کے اپنے زمانہ میں بہت کم لوگ تھے۔

دربار رنجیت سنگھ میں بہت سے نامور آدمی موجود تھے مثلاً بہادر ہری سنگھ نلوہ، دبیتا نافخ پنجاب کا کوبرٹ جس کے متعلق مشہور تھا۔ کہ اسکی دانش و دُوربینی اس قسم کی تھی۔ کہ جب تاریخی سطح صاف ہوتا۔ تو وہ آنے والے طوفان کی نشانیاں بھانپ لیتا۔ عزیزالدین جیسا متواضع اور مہذب وزیر خارجہ جمعدار خوشحال سنگھ لقیب اعظم۔ عطا سنگھ سندھیا والیہ ایک طاقتور قبیلہ کا سردار اور بذات خود ایک شریف جری اور بہادر جنگجو اور ان کے ساتھ برابر کا نامور راجہ دھیان سنگھ لیکن یہ سب لوگ گلاب سنگھ کو سیاستدانی اور عقل میں اپنے آپ پر فائق سمجھتے تھے۔ اور یہ محض اس وقت کا واقعہ تھا۔ جب رانی جنداں کے پٹھوؤں نے ان سیاستدانوں کی جگہ لی۔ کہ گلاب سنگھ دربار میں اپنے اثر سے محروم ہوا۔ لیکن باایں ہمہ جواہر سنگھ اور لال سنگھ کو بھی اپنی باری سے حکمران جموں پر انحصار کرنا پڑا۔ جب رنجیت سنگھ فوت ہوا۔ تو گلاب سنگھ مسلمہ طور پر سکھ سلطنت میں سب سے بڑھکر باا ثر آدمی تھا۔ اور گو حقیقی سکھ سردار مثلاً سندھانوالوی اور اٹاری سردار اس پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ لیکن وہ رنجیت سنگھ اور اس کے خاندان سے وفاداری کو تسلیم کرتے تھے۔ اور اس کی معاملات

حکومت کے انتظام کی قابلیت کے معترف تھے۔ تو وہ شخص جیسے عزیزالدین۔ دیناناتھ۔ عطر سنگھ سندھانوالیہ اور دوسرے لوگ جو اس کے سامنے آنکھیں نیچی رکھتے تھے۔ اپنا رہنما سمجھتے ہوں۔ یقیناً کوئی معمولی فرد نہیں ہو سکتا۔ یہی اظہار ان انگریزی سیاست دانوں کے متعلق کیا جا سکتا ہے۔ جن کا گلاب سنگھ سے واسطہ پڑا۔ لارنسوں کے ساتھ اس نے دائمی دوستی قائم کی۔ سر فریڈرک کری لارڈ نیپیر اور دوسرے لوگ جنہیں گلاب سنگھ سے پالا پڑا۔ اسے جری دشمن اور وفادار دوست اور ایک دانا اور دُور اندیش سیاستدان خیال کرتے تھے۔

لازمتہً یہ بات درست نہیں ہوگی۔ اگر ہم گلاب سنگھ کو اس معیار سے پرکھنے کی کوشش کریں۔ جو ہم ان دنوں رہنمایان ملک کے لئے روا رکھتے ہیں۔ لیکن اگر ہم اس وقت کے اخلاقی اور سیاسی معیار کو ملحوظ رکھیں۔ تو گلاب سنگھ کو آسانی کے ساتھ نہ صرف نامور بلکہ پسندیدہ انسان قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ نہایت خدا پرست تھا۔ اپنے خاندان اور دوستوں کا گرویدہ تھا۔ اور اس نے کبھی نہ تو لوگوں پر جبر وستم کیا اور نہ ہی انتقام کے ساتھ دشمنوں کا تعاقب کیا۔ ریاست میں اس کی مذہبی یادگاریں بیشمار ہیں۔ گو وہ اتنی نہیں جتنی رنبیر سنگھ کی۔

سو اس طرح پر جب ہر بات کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو گلاب سنگھ اُنیسویں صدی کی محدود چند ممتاز ہستیوں میں نظر آئیگا۔ جو اپنی ہوس جوانی میں بھی سلطنتوں اور ریاستوں کے خواب

دیکھتا ہو جس کے لو ہے کو نہ تو خانگی مصیبت اور نہ ہی ذاتی مذلت خمیدہ کر سکتی ہے۔ اور جس کی جسمانی اور اخلاقی جرأت نے جس کا امتحان بیشمار میدان ہائے جنگ اور نازک وقتوں میں کیا گیا۔ اس کے لیئے ہندوستان کی بزرگ ہستیوں کے مدفن میں عظمت و رفعت کو حاصل کر رکھا ہے۔ موجودہ ریاست جموں و کشمیر اس کی یادگار ہے اور جب تک ریاست مذکور کا وجود موجود ہے۔ اس کے نام کو خلقِ خدا کی یاد میں جگہ ملی رہے گی؛

ضمیمہ

ضمیمہ نمبر ۱

گورنر جنرل کے خطوط خفیہ کمیٹی (سیکرٹ کمیٹی) کے نام

مورخہ ۴ ار مارچ ۱۸۴۶ء

اس عہدنامہ کے مسودہ سے جو لف ہذا ہے۔ یہ بات معلوم ہو گی کہ چونکہ حکومت لاہور اخراجات کی تلافی کی خاطر مجوزہ رقم کی ادائیگی سے قاصر ہے۔ یا وہ اسکی معینہ وصولی کے لئے کافی کفالت نہیں دے سکی۔ اس لئے دریائے بیاس سے سندھ تک کے پہاڑی علاقے بشمول صوبجات کشمیر و ہزارہ انگریزی حکومت کے ساتھ ملحق کر لئے گئے ہیں۔ میرا عندیہ یہ نہیں۔ کہ اس تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس پر ہمارا تصرف کئی وجوہ سے غیر مفید ہو گا۔ اس قبضہ کی بدولت کئی طاقتور نوابوں سے ہمارا تصادم ہو جائے گا۔ جن کی سرکوبی کے لئے ہمارے علاقہ جات اور فوجی ذرائع سے دور دراز فاصلے پر ایک زبردست فوجی عملہ درکار ہو گا۔ یہ صورت

ہماری موجودہ سرحد کو ایسے ممالک ہیں دو چند سے بھی زیادہ بڑھا دیگی - جن میں ہر نقطہ پر سے ہجوم کیا جا سکتا ہے - اور جن کا تحفظ مملکت کے اس قسم کے وسیع اضافہ جات کے مقابلہ کے نوائید بغیر نہایت مشکل ہوگا - ایسی حالت میں دُور افتادہ اور متصادم مفاد پیدا ہو جائیں گے - اور عوام الناس کے وہ طبقہ جن کے ساتھ ہمارا ابتک کوئی تعلق نہیں رہا - ہمارے زیر حکومت آجائیں گے - بحالیکہ یہ علاقہ جات ماسوائے کشمیر کے نسبتاً کم زرخیز ہیں - اور قبضہ اور انتظام کے اخراجات کو بمشکل پورا کر سکیں گے -

دوسری جانب اب کہ ملحقہ نقشہ میں راجہ گلاب سنگھ اور خاندان جموں کے تمام پہاڑی مقبوضات شامل ہیں - اسپر ہمارا قبضہ ہمیں اس قابل فی الفور بنا دیتا ہے کہ ہم تازہ کارروائیوں کے دوران میں راجہ گلاب سنگھ کی روش کے احساس کا ثبوت اسے ایسے طریق پر انعام و کرام دلا کر دیں - جو اس کی خواہشات کے عین مطابق ہو - اور پھر دوسرے ایشیائی حکمرانوں کے سامنے ان نوائید کا نمونہ پیش کریں - جو انگریزی مفاد کی حمایت سے مترتب ہو سکتے ہیں - اور ہم اسی طرح پر جہم کے ان اخراجات کو پورا کر سکیں - جن کی وصولی کے نہیہ کا ہم اظہار کر چکے ہیں - اور جنہیں برائے الحاق علاقہ کی صورت کے حکومت لاہور پورا کرنے کے قابل نہیں ہے

راجہ گلاب سنگھ نے اس ایک کروڑ روپیہ کی ادائیگی

کا ذمہ لیا ہے۔ جو ہم نے دربار لاہور سے طلب کیا ہے۔ بحالیکہ ہم اسے مسودہ عہدنامہ کے فقرہ نمبر ۴ کی رو سے ملحقہ علاقہ قبضہ ایسے شرائط لوازم پر دلادیں۔ جنہیں ہم مناسب متصور کریں۔

یہ بات ازبس موزوں ہے کہ ہم کلو اور منڈی کے بیاس کے درے کے رقبہ کو معہ زرخیز اضلاع کے اور نورپور کے مستحکم مقلم اور مشہور قلعہ کانگڑہ کے جسے باشندگان ملک کلید ہمالیہ خیال ہیں۔ بشمول اس کے ضلع اور مضافات کے، اپنے قبضہ میں رکھیں۔ یہ صوبے دریائے بیاس اور چکی کے مابین باہم واقع ہیں۔ اور ان پر ہمارا قبضہ معمولی خرچ اور کثیر فائدہ کا موجب ہوگا۔ پہاڑی علاقہ میں دریائے چکی آئندہ کے لئے ہماری سرحد ہوگی۔ وہ اس طرح کہ اس کے منبع سے دریائے راوی تک۔ اور اس کی راہ کے ساتھ دریا چناب کے پار لاہول کی حد واقع شدہ برفانی سلسلہ تک ایک خط کھینچ دیا جائے۔ اس خط کی تعین اس غرض کے لئے ارسال شدہ آفیسر باہمی مفاہمت سے کریں گے۔ اور اس کے نشان نہایت وضاحت سے دیئے جائیں گے۔

محولہ بالا رقبہ کو اپنے پاس رکھنے کے صلہ میں ۲۵ لاکھ روپیہ کی تخفیف اس ایک کروڑ روپیہ سے کردی جائیگی جو راجہ گلاب سنگھ کو بصورت دیگر ادا کرنا چاہیئے۔ سو راجہ گلاب سنگھ کو باقی ۷۵ لاکھ روپیہ کی ادائیگی کرنی ہوگی۔

جس میں سے ۵۰ لاکھ روپیہ انعقاد معاہدہ کے موقع پر فی الفور وصول کئے جائیں گے۔ اور بقیہ ۲۵ لاکھ اس تاریخ سے چھ ماہ کے اندر وصول کئے جائیں گے۔

علاقہ مذکور کے باقی ماندہ حصہ میں سے جو معاہدہ کے نقرہ ۴ کی رو سے ملحق کیا گیا ہے۔ بیشتر رقبہ سوائے صوبہ جات کشمیر و ہزارہ کے پیشتر سے راجہ گلاب سنگھ اور اس کے خاندان کے قبضہ میں ہے۔ جس کے صلہ میں اب تک وہ اس امر کا پابند تھا۔ کہ وہ مختصر سے پیمانہ پر حکومت لاہور کو فوجی اعانت دیا کرے۔ اور ہر سال ایک گھوڑا معہ زین جھول کے حکومت مذکور کو نذرانہ کے طور پیش کرے۔

وہ شرائط جن کا تصفیہ راجہ گلاب سنگھ کے ساتھ کیا جائے۔ اور معاہدہ جو اس کے ساتھ طے ہو۔ ان چیزوں کی رپورٹ میں اپنے آئندہ خط میں دوں گا۔ مذکورہ شرائط ایسے طریق سے مرتب ہونگی۔ کہ ہم اس کے معاملات میں کم از کم ممکن مداخلت کے پابند ہوں۔ اور وہ اس خارجی اقتدار کے قیام کے حسب حال ہونگی۔ جو ہمیں راجہ اور اس کے ملک پر حاصل ہے۔

ضمیمہ نمبر ۲

گلاب سنگھ کے بعض ممتاز افسروں پر ایک نوٹ

دیوان جوالا سہائے

دیوان جوالا سہائے سی۔ ایس۔ آئی جو ابتدائی جوانی کے ایام سے مہاراجہ کا مصاحب تھا۔ دیوان امیر چند کا بیٹا تھا۔ امیر چند۔ گلاب سنگھ کی ملازمت میں داخل ہوا۔ اور کئی موقعوں پر اس نے اس کی وفادارانہ خدمات سر انجام دیں۔ یہ محض بیشتر اسی کی جد و جہد کی بدولت تھا۔ کہ دیوان چند کا محاصرہ ریاسی اٹھوا دیا گیا۔ (ملاحظہ ہو باب نمبر ۲) جب ۱۸۲۲ء میں گلاب سنگھ راجہ جموں بنا تو دیوان چند۔ کو مدار المہام کے منصب پر فائز کیا گیا۔

امیر چند کی وفات ۱۸۳۶ء میں واقع ہوئی۔ اس کے تین لڑکے تھے۔ جوالا سہائے۔ ہری چند۔ اور میاں چند اور ان سب نے گلاب سنگھ کے ماتحت نمایاں امتیاز حاصل کیا۔ امیر چند کی وفات پر جوالا سہائے مہاراجہ کا افسر اعظم تھا۔ جس منصب پر کہ وہ ۱۸۶۵ء تک فائز رہا۔ رنبیر سنگھ کی حکومت میں وہ مرض فالج کی وجہ سے وزیر اعظم کے منصب سے علیحدہ ہو گیا۔ بوجہ مہاراجہ کی جموں سے لمبی مہمات پر مسلسل غیر حاضری کے نظم و نسق کے فرائض بیشتر جوالا سہائے کے ذمہ رہے۔ جوالا سہائے تمام قسم کے سیاسی کاروبار میں مہاراجہ کا رازدار کارندہ تھا اور انتقال کشمیر کے سلسلہ میں گفت و شنید کا ذمہ دار زیادہ تر وہی تھا۔

اس خدمت کے صلہ میں اسے وسیع جاگیرات اور چار روپیہ فی ہزار کی رسوم۔ ریاست کی مجموعی آمدن پر تا دوام عطا کی گئی۔ منجملہ اپنے دوسرے کارناموں کے اسی نے مقام لاہور میں ۱۸۴۵ء میں گلاب سنگھ کو قید سے مخلصی دلائی۔ سرحد کے سوال کے سلسلہ میں میجر ایبٹ کے اشتراک کے ساتھ مفاہمت کا انتظام کیا اور پونچھ کی مشکلات کو سلجھایا۔ جیسا کہ قبل ازیں ذکر آ چکا ہے۔ وہ ریاست کی خدمت گلاب سنگھ کی وفات کے بعد بھی کمربستہ رہا۔

دیوان ہری چند

دیوان ہری چند کو بیشتر فوجی مہمات میں مصروف رکھا گیا
تبت میں زور آور سنگھ کی وفات کے بعد اسے لداخ کی
دوبارہ تسخیر اور تبتی حملہ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا گیا۔
اور وہ ان ہر دو امور میں کامیاب ہوا۔ سنہ ۱۸۴۵ء میں جب
جموں کا محاصرہ کیا گیا۔ تو اسے اصل فوج کا چارج دیا گیا۔ اور
جب مہاراجہ گلاب سنگھ سکھ سپاہ کے ساتھ خود لاہور کو
روانہ ہوا۔ تو اس نے شہر کا انتظام اسی کے سپرد کیا۔
عہد نامہ امرتسر کے بعد دیوان مذکور کو بہت سی ضروری مہمات
پر بھیجا گیا۔ بالخصوص ہزارہ کی مہم پر۔ جہاں قبائل نے بغاوت
اختیار کی۔ علاوہ ازیں اسے گلگت بھی بھیجا گیا۔ جب غدر
ہندوستان رونما ہوا۔ اور گلاب سنگھ نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کو دہلی میں
انگریزوں کی امداد پر روانہ کیا۔ تو دیوان ہری چند اس کے ہمراہ
تھا۔ دیوان ہری چند اسی مہم کے دوران میں فوت ہوا۔

وزیر زور آور

وزیر زور آور جس نے تسخیر لداخ اور حملہ تبت کی بدولت
شہرت دوام حاصل کی۔ کہلور متصل ریاستی کا باشندہ تھا۔

اس نے اپنی ملازمت کی ابتدا مقام ریاسی پر پرائیویٹ سپاہی کی حیثیت سے کی۔ بوجہ محنتی اور بہادر ہونے کے اور بوجہ اردگرد کے علاقہ سے واقفیت رکھنے کے وہ کمانڈر کی نگاہ میں جچ گیا جس نے اسے گلاب سنگھ کی پیغام رسانی کے کام پر لگایا۔ اس قسم کے ایک موقع پر اس نے مہاراجہ کی توجہ اس تضییع زر کی طرف منعطف کرائی۔ جو محکمہ کمسٹریٹ میں رونما ہو رہا تھا۔ اور اس کے سامنے ایک سکیم رکھی جس کی بدولت معقول بچت کی گنجائش نکل سکتی تھی۔ گلاب سنگھ نے جو قابلیت کا اندازہ کرنے میں نہایت مستعد تھا۔ اس کی تجویز کو منظور کر لیا۔ اور اس سکیم کی تکمیل کا کام اس کے سپرد کیا۔ وہ اس کام میں اس قدر کامیاب ہوا۔ کہ اسے جلد گشتواڑ میں کمانڈر بنا دیا گیا۔ اس مہمات کی تاریخ قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔

زورآور سنگھ اپنے ہمعصروں میں بوجہ اپنی کامل ملی دیانتداری کے ممتاز تھا۔ اس نے کبھی کسی آدمی سے تحفہ تحائف قبول نہ کیا۔ اور جو شے اسے پیش کی جاتی وہ اسے گلاب سنگھ کی خدمت میں بھیج دیتا۔ اس نے اس اصول دیانتداری کو اس حد تک پہنچا دیا۔ کہ وہ صرف وہی کپڑے پہنتا۔ جو اسے مہاراجہ کے ہاں سے ملتے۔ اور ہمیشہ ایک معمولی تنخواہ پر قانع رہتا۔ وہ اپنی مہمات کے متعلق کسی قسم کے مراسلات بھیجنے کا عادی نہ تھا۔ خراج اور لگان جو وہ جمع کرتا۔ اسے

ڈاک کی طرح جموں بھیجدیتا - اور مہاراجہ اس مقدار سے اندازہ کر لیتا۔ کہ اس کے جرنیل نے کونسا نیا ملک فتح کیا ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ ان فتوحات سے اس نے اور اس کے خاندان نے ایک پائی کا بھی فائیدہ نہ اٹھایا۔

کرنیل بستی رام

کرنل بستی رام جو تسخیر لداخ اور فتح تبت میں زورآور کا ایک ممتاز افسر تھا۔ علاقہ کشتواڑ کا ایک راجپوت تھا۔ اس نے زورآور [illegible] اس کی ہمراہی اختیار کی اور فتح سکردو کے موقع پر بھی موجود تھا۔ اس موقع پر اسے زنسکار کا کمانڈر بنا دیا گیا۔ جہاں [illegible] اس نے خود کو خوب نمایاں کیا بعد ازاں [illegible] اور پھر تبت کا گورنر بنا دیا گیا۔ اس کی تاریخ کننگھم کی تصنیف موسومہ "لداخ" میں جزوی طور پر موجود ہے

وزیر لکھپت

وزیر لکھپت دراصل راجہ کشتواڑ کا وزیر اعظم تھا۔ جب مذکورہ امارت کو گلاب سنگھ نے فتح کر لیا۔ تو اس نے لکھپت کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ اُسے بہت سی ضروری فوجی مہموں پر بھیجا گیا۔ اور اس نے اپنے آقا کی خوب خدمت

سر انجام دی۔ سنہ ۱۸۴۶ء میں اسے قبضہ کشمیر کے حصول اور شیخ امام الدین کے مقابلہ کو فرد کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ وزیر ندگور نے ہری پربت پر قبضہ کر لیا۔ لیکن کسی لڑائی کے مقتل میں مارا گیا۔ وہ مہاراجہ کا ایک نہایت وفادار اور قابل آفیسر تھا۔

نتھو شاہ

نتھو شاہ گوجرانوالہ کا ایک سید تھا۔ وہ سرحد گلگت پر سکھ سپاہ کا کمانڈر تھا۔ اور ہنزا اور نگر کی تسخیر کا بیشتر وہی ذمہ دار تھا۔ جہاں کے امرا کی لڑکیوں [illegible] نے شادی کی۔ جب کشمیر کا علاقہ گلاب سنگھ کے [illegible] ہوا۔ تو اس نے مہاراجہ کے ماتحت ملازمت اختیار [illegible] ایجنسی کے نتھو شاہ کی معیت میں [illegible] سرداری سردار کو اس کا مخالف بنا دیا۔ اور بعد کی ہید [illegible] بغاوت میں اس کا کام تمام ہو گیا۔

ختم شد

دیوان پریس جموں میں باہتمام گیاچند دیوان چھپ